جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جولائی

۱۹۹۳

محرم الحرام

۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۱ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ ـ جولائی ۱۹۹۳ء شمارہ : ۱۰

مدیر
سید محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک :

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ ۱۰۰ روپے
سعودی عرب ـ متحدہ عرب امارات .... "	۴۵ ریال
بھارت ـ بنگلہ دیش .... "	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ .... "	۱۶ ڈالر
برطانیہ .... "	۱۴ ڈالر

رابطہ کے لیے
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور ، کوڈ ۵۴۰۰۰
فون ۲۰۵۳۸۸-۲۰۱۰۸۶

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ______ ۳
سیرۃ مُبارکہ ______ حضرت اقدس مولانا سیّد محمد میاںؒ ______ ۶
درسِ حدیث ______ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاںؒ ______ ۱۴
درسِ قرآن ______ حضرت مولانا قاری محمدؐ طیّبؒ ______ ۱۸
خطبۂ تبوک ______ ڈاکٹر فیوض الرّحمٰن ______ ۲۵
مکتوبِ گرامی ______ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاںؒ ______ ۲۹
فرمودات حضرت مدنیؒ ______ حافظ تنویر احمد شریفی ______ ۳۵
نظم ______ محمدؐ وارث کاملؔ ______ ۳۶
حاصلِ مطالعہ ______ مولانا نعیم الدّین ______ ۳۷
فکرونظر ______ ڈاکٹر سرور چاند ______ ۴۴
دارالافتاء ______ حضرت مولانا مفتی عبدالواحد ______ ۴۷
تبصرۂ کُتب ______ ۵۳
بزمِ قارئین ______ ۵۵

○

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی۔

○

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپواکر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

پاکستان کے غریب عوام گزشتہ چھیالیس برس سے جس بُری طرح ظُلم و استحصال کا نشانہ بنے ہُوئے ہیں، وہ کسی سے ڈھکا چُھپا نہیں ہے، اس عرصہ میں برسرِ اقتدار آنے والی ہر حکومت نے بجز طفل تسلّی اُن کے لیے کچھ نہیں کیا، بلکہ مزید مسائل ہی پیدا کیے ——— موجودہ حکومت نے جو غریب عوام کی فلاح و ترقّی کی سب سے بڑھ کر دعویدار ہے۔ اور مُلکی بہبود کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھنے کا عزم کیے ہُوئے ہے۔ اپنے دعوے کے برخلاف اٹھارہ ارب روپے کا نئے ٹیکسوں پر مشتمل بجٹ پیش کر کے عوام کے مسائل و پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیا ہے ——— خاص طور پر تیل کی قیمت میں دس فیصد اضافہ نے ہر شخص کو فوری طور پر براہِ راست متأثّر کیا ہے، تیل کی قیمت کو ڈالر سے وابستہ کر کے ظُلم کی انتہا کر دی گئی ہے، جیسے جیسے روپے کے مقابلہ میں ڈالر کی قیمت بڑھے گی تیل کی قیمت کے بڑھنے کا تسلسل خود بخود تمام سال جاری رہے گا، وزیرِ خزانہ کا کہنا ہے کہ حکومت ہر تین ماہ بعد تیل کی قیمت متعیّن کیا کرے گی۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ تیل کی وجہ سے دیگر تمام اشیاء کی قیمتوں میں بھی ہر تین ماہ بعد اضافہ ہُوا کرے گا۔ بالفاظ دیگر اس بجٹ میں قوم کو ایک نئے انقلابی اقدام سے آگاہ کیا گیا ہے کہ آئندہ سے سال میں چار بار بجٹ آیا کرے گا۔ ملک کے غریب عوام سے حکومت کی یہ سفّاکی اس کے سنگین جرائم میں سے ایک

بڑا جرم ہے، حکومت کو چاہیے تیل کی قیمت میں اضافہ کو فوری طور پر واپس لے تاکہ اشیاء صرف پر اس کی وجہ سے پڑنے والے بُرے اثرات زائل ہوں اور عوام کی مالی توانائی کسی حد تک بحال ہو۔ بجٹ میں بعض فیصلے بہتر بھی کیے گئے۔ مثلاً گاڑیوں کی ڈیوٹی میں کمی کیونکہ سواری انسان کی بُنیادی ضروریات میں سے ہے اس تک زیادہ سے زیادہ افراد کی رسائی ایک کارِ خیر ہے مگر چند سوداگروں کے دباؤ کا بہانہ بناتے ہوئے حکومت نے یہ رعایت واپس لے کر قومی مفاد کو بالائے طاق رکھ دیا ہے ـــــ دوسری طرف ایئر کنڈیشنر، فرج، ٹیپ ریکارڈر، وی سی آر ریڈیو اور گھڑیوں پر ڈیوٹی کم کر کے حکومت نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کیونکہ اس رعایت سے صرف متمول اور درمیانے طبقہ کے لوگ ہی فائدہ اُٹھا سکیں گے، جبکہ اس محدود فائدہ کے نتیجے میں وی سی آر جیسی اشیاء کی بدولت بے حیائی اور آوارگی کا جو تباہ کُن سیلاب آئے گا (جو پہلے ہی کچھ کم نہیں ہے) اور اس کے نتیجہ میں حکومت اور مُلک کے لیے جو مسائل پیدا ہوں گے وہ ان منافع کے مقابلہ میں بہت خطرناک ہوں گے جن کے حصول کے لیے یہ چھوٹ دی گئی ہے، سامانِ تعیش پر چھوٹ کے بجائے مزید بھاری ٹیکس عائد کرنے چاہییں تاکہ بے حیائی و فحاشی کے سیلاب کو محدود کیا جا سکے اور معاشرے میں دکھاوا اور مادیّت پر انحصار جیسی مہلک بیماریوں کا سدِّباب ہو سکے ـــــ مگر ان قباحتوں سے باخبر درحقیقت وہی لوگ ہو سکتے ہیں اور وہی لوگ ان کا صحیح معنی میں سدِّباب کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خُدا کے ساتھ ساتھ اسلامی نظامِ حیات کی عظمت اور اس کی افادیّت پُوری طرح جاگزیں ہو اور ایسے لوگ علماءِ حق کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں؟ مغرب کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والے قلُوب و اذہان سے ایسی اُمّید رکھنا اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنے کے سوا کچھ نہیں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ حکومت کے ساتھ ساتھ ان مصائب کے خود عوام بھی ذمّہ دار ہیں جو اسلام کے بارے میں بالکل ناآشنا اور پراگندہ ذہنیت کے مالک افراد کو منتخب کرتے ہیں۔ پھر جبکہ ان لوگوں کو عوام پہلے آزما بھی چکے ہوں تو قوم کا یہ اجتماعی گناہ اور بھی بڑھ جاتا ہے لہٰذا پُوری قوم کو اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرنی چاہیے اور اس کا عملی مظاہرہ اس طور پر ہونا چاہیے کہ پُوری قوم علماءِ حق کو برسرِ اقتدار لانے کی بھرپُور کوششوں میں سرگرم ہو،

تاکہ اللہ پاک ہم سے خوش ہوں اور ہمیں ان مصائب سے نجات عطا فرمائیں۔

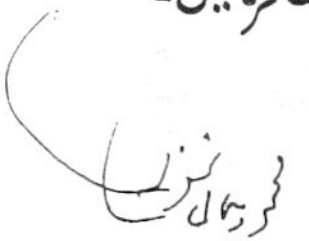

بقیہ: فرمودات مدنیؒ

نیز عشاء کے بعد کسی وقت نماز پڑھنا تہجّد ہے، کیونکہ اس میں ترک نوم ہے۔ (ایضاً ص ۸۹)

(ہمارے جیسے کمزور لوگوں کے لیے سورۂ بقرہ والا عمل نہایت آسان ہے، لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ بس اسی پر اکتفا صحیح ہے، صبح تہجّد کے لیے اُٹھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ از شریفی)

عمر کا ضیاع: فرمایا کہ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں۔

سعدی بشوئے لوحِ دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

یعنی دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرتے ہو عمر ضائع کر رہے ہو، راز عشق کے سوا جو کچھ پڑھتے ہو بیکار ہے۔ اے سعدی! غیر حق کے نقش سے لوحِ دل کو دھو ڈالو۔ جو علم حق کی رہنمائی نہ کرے وہ جہالت ہے۔ (مکتوب ۱۳ ص ۹۱ - ج ۱)

بقیہ: خطبۂ تبوک

يُسَمِّعُ اللّٰهُ بِهٖ	اس کو بدنام کر دیتا ہے۔
(۴۹) وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُضْعِفِ اللّٰهُ لَهٗ	اور جو بمقابلہ نقصان۔ ثابت قدم رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دوگونہ عطا فرماتا ہے۔
(۵۰) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ اللّٰهُ	اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں ڈالے گا۔[1]

اس کے بعد حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تین بار استغفر اللہ کہا اور خطبہ ختم کر دیا۔"

[1] امام ابن قیمؒ: زاد المعاد: ج ۳ - غزوۂ تبوک

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت
فرائض اور خصوصیات

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (سورۂ احزاب)

اے نبی ہم نے تم کو بھیجا ہے اس شان سے کہ آپ

۱۔ شہادت دینے والے ہیں۔

۲۔ بشارت دینے والے ہیں۔

۳۔ آگاہ کرنے والے ہیں۔

۴۔ خدا کی طرف بلانے والے ہیں۔

۵۔ خدا کی طرف سے دعوت دینے کے مجاز ہیں۔

۶۔ چراغ ہیں روشنی دینے والے

یہ معجزانہ بلاغت ہے کہ خطاب ایسے الفاظ سے کیا گیا جس سے یہ بنیادی حیثیت پہلے ظاہر ہوگئی کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ اس کے بعد مندرجہ بالا چھ (٦) خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی خصوصیت اور نبی اور فلسفی کا فرق

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ آپ حق بات کو اس یقین اور ایسے وثوق اور بھروسے سے بیان

کرتے ہیں۔ جیسے کوئی آنکھوں دیکھی چیز کی شہادت دیتا ہے۔

یہ فرق ہے نبی اور فلسفی میں۔ فلسفی کے پاس قیاس۔ تخمینے اور تجربے ہوتے ہیں۔ تجربوں کی بنیاد اگرچہ بسا اوقات مشاہدہ پر ہوتی ہے، مگر انسان کا مشاہدہ بھی بسا اوقات غلطی کرتا ہے۔

ہزاروں برس تک دُنیا کے فلسفی (جن میں سقراط، ارسطو اور افلاطون جیسے ماہر بھی داخل ہیں جو فلاسفہ کے امام مانے جاتے ہیں۔) یہی یقین کرتے رہے کہ چاند اور سورج آسمانوں میں گڑے ہُوئے ہیں۔ آسمان زمین کو گھیرے ہُوئے ہیں اور وہ زمین کے گرد گھوم رہے ہیں۔ زمین اپنی جگہ ساکن ہے۔ یہ نہ حرکت کرتی ہے نہ کر سکتی ہے۔ یہ سب کچھ وہ اپنے مشاہدے کی بنا پر کہتے رہے ان کی عظیم الشان رصدگاہیں اسی یقین کی تصدیق کرتی رہیں اور اپنے اس یقین کی بنا پر اُنہوں نے نجوم، جوتش وغیرہ بہت سے فن ایجاد کیے اور یقین کرتے رہے کہ یہ تمام فنون اور اُن کی یہ تمام تحقیقات صحیح اور دُرست ہیں اُن میں شک و شُبہ کی کوئی گنجائش نہیں[1]۔ مگر آج سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ یہ جو کچھ تھا فریبِ نظر تھا۔ آج کی دنیا میں اس سے بڑا احمق اور جاہل کوئی نہیں جو آسمان کو گھومتا ہُوا مانے اور چاند سورج کو اس میں جڑا ہُوا سمجھے۔

ان فلاسفہ کو پُورا یقین تھا کہ ہماری زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ فوراً ہی فنا ہو جاتے ہیں ان کے فلسفی ضابطہ کا فیصلہ یہی تھا کہ حرکت اور اس کے اثرات کا کوئی اپنا وجود ہی نہیں ہے لہٰذا اُن کے بقاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہماری آواز اور ہمارے الفاظ زبان کی حرکت کا اثر ہے جو ساتھ ساتھ ختم ہوتا رہتا ہے، لیکن آج ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ جو لفظ زبان سے نکلتا ہے وہ باقی رہتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جو الفاظ انسانوں کی زبان سے بولے گئے وہ سب فضا میں موجود ہیں۔

بہرحال سابق فلاسفہ نے جو باتیں صرف ذہانت سے معلوم کی ہیں اور موجودہ فلسفی جن باتوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ان تمام تحقیقات اور مشاہدات کے باوجود یہ سب قدیم اور جدید فلاسفہ اور ماہرین سائنس یہی سمجھتے رہے اور یہی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہماری تحقیق ہے وہ حرفِ آخر نہیں ہے ممکن ہے کوئی جدید تحقیق اس تحقیق کو غلط قرار دے دے۔ لہٰذا یہ یقین کہ جو کچھ

---

[1] ان کے اس یقین میں بسا اوقات جارحیت ہوتی تھی۔ وہ اپنے مخالف کو سخت سے سخت سزا کا مستحق سمجھتے تھے انہیں کے پیش رَو وہ تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نذرِ آتش کرنے کے لیے جہنّم تیّار کیا تھا۔

وہ کہہ رہے ہیں وہی حرفِ آخر ہے اور وہی حق ہے اس کے سوا باطل ہے۔ یہ یقین فلسفی کو میسّر نہیں آتا۔ اس کو خود اپنی تحقیق کے اندر شک رہتا ہے۔ اس بناء پر وہ اطمینان سے محروم رہتا ہے اور جب اطمینان کی دولت خود اس کے پاس نہیں ہوتی تو وہ کسی دوسرے کو یہ دولت کہاں سے دے سکتا ہے اور جب اس کو اپنی تحقیق پر مکمّل اطمینان اور یقین نہیں ہوتا تو اس کے لیے فدا ہو جانے اور قربان ہونے کا جذبہ بھی اس کے اندر نہیں ہوتا۔ لہٰذا عمل کے لحاظ سے وہ عموماً کوتاہ رہتا ہے۔

مادّہ کی طرح رُوح اور خُدا سے تعلّق رکھنے والے مسائل (مثلاً خالقِ کائنات کی ذات و صفات؛ اس سے انسان کا تعلق۔ حیات بعد الممات۔ عمل اور پاداش عمل جیسے مسائل) میں بھی فلسفی کا فیصلہ دوٹوک نہیں ہوتا۔ اس کا ترقّی پذیر دماغ جس چیز کو آج روشنی سمجھتا ہے وہی چیز اگلے روز اس کو تاریک نظر آتی ہے اور سکون و اطمینان کے بجائے اس کا دماغ نئے خلجان میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پیروکار جو بصیرت سے محروم اور اندھی تقلید کے عادی ہوں۔ فلسفی کے کسی نظریہ کے معتقد ہو جائیں، مگر اُن کی یہ تقلید بھی شک و شبہہ کی گرد سے پاک نہیں ہوتی اور یہی سبب ہوتا ہے کہ اس کے مخالف اور متضاد نظریہ کو بھی[1] حق سمجھنے لگتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں بار بار کہا گیا ہے کہ ان عقل پرستوں کے پاس جو کچھ ہے وہ "ظن" ہے جو شک و شبہہ اور خلجان کے گرد و غُبار سے پاک اور صاف نہیں۔ جہاں حق کی ضرورت ہو وہاں "ظن" کام نہیں دے سکتا۔[2]

مکڑی کا جالا کرم شب تاب کو اُلجھا تو سکتا ہے اُس کو منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔

---

[1] برادران وطن کے دھرم کا مدار وحی پر نہیں ہے، کیونکہ وہ نبوّت کو نہیں مانتے ان کے دھرم کا مدار فلسفہ پر ہے وہ اپنے رشیوں اور مُنیوں کو فلسفی ہی مانتے ہیں۔ اسی کا اثر ہے کہ کسی ایک عقیدہ اور نظریہ پر ان کو یقین نہیں ہوتا۔ وہ ہر ایک عقیدہ کو صحیح ماننے لگتے ہیں۔ وہ اس کو وسعت نظر اور فراخی ظرف سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا سبب گم گشتگی نظر اور فقدانِ یقین ہے۔

[2] سورہ والنجم ۵۳ آیت ۲۴ و ۲۸۔

قطب مینار کی بلندی تک وہی رسّی پہنچا سکتی ہے جو نہایت مضبوط ہو۔ نبی کے پاس حق اور یقین کی یہی مضبوط رسّی ہوتی ہے جو اس کو اس کا رب اور معبود عطا کرتا ہے[1] اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ رسّی خود اُس کے رَب کی عطا کردہ ہے۔ وہ اپنی جان قربان کر سکتا ہے، مگر اس رسّی کو نہیں چھوڑ سکتا۔

اس یقین کا ثمرہ وہ غیر معمولی اعتماد اور توکل ہوتا ہے جو نبی کو اپنے رب پر ہوتا ہے جو بڑی سے بڑی جابر و ظالم طاقت کے مقابلہ میں بھی اس کو پہاڑ کی چٹان بنائے رکھتا ہے اور سخت سے سخت خطرہ کے موقع پر بھی اس کا تصوّر یہ ہوتا ہے۔

"ہم اس خدا پر اعتماد اور بھروسہ کیوں نہ کریں جس کا (فضل و کرم یہ ہے کہ روحانی اور مادی زندگی کے) تمام راستوں میں اس نے ہماری رہنمائی کی ہے۔ بلاشبہہ ہمیں یہ کرنا ہے کہ ہم ان تمام اَذِیّتوں کے مقابلہ پر استقلال اور ضبط و تحمل سے کام لیں جو تم ہمیں پہنچا رہے ہو اور اللہ ہی ہے جس پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے"۔

(سورۂ ابراہیم ۱۴ آیت ۱۱)

مختصر یہ کہ اللہ کے رسول (محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شاہد ہیں یعنی جو کچھ بتاتے ہیں وہ ایسے یقین کے ساتھ جو مشاہدہ سے بھی بڑھا ہُوا ہوتا ہے۔ جس کی پشت پر حق و صداقت کی سرفروشانہ اور فداکارانہ پختگی ہوتی ہے۔

دوسری خصُوصیّت

یہ کہ جو لوگ اس حق و صداقت کو قبول کر لیتے ہیں ان کو پہلی[2] بشارت یہ ہوتی ہے کہ اُنھوں نے سچّائی کا راستہ پا لیا اور خُدا پرستی کے جس صراط مستقیم کی تلاش میں وہ سرگرداں تھے وہ صراطِ مستقیم اُن کو مل گیا۔ وہ تشنہ کام، جو تلاشِ حق میں سالہا سال سے سرگرداں رہے ان

---

[1] بقرہ آیت ۲۵۶ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ [2] ایک سبق: نبی اور نہ صرف نبی بلکہ ہر ایک داعی حق کا یہ کام ہے کہ وہ پُر اُمّید رہے اور جس کو وہ دعوت دے تو پہلے اس دعوت کے فائدہ بخش اور روشن پہلو اس کے سامنے رکھے۔

کے لیے اس سے زیادہ بشارت کیا ہوسکتی ہے کہ وہ گوہر مراد ان کے دامن میں آگیا جس کے لیے وہ بے چین تھے اور جس کی جستجو میں وہ اپنی عمر کھپا رہے تھے۔ دوسری بشارت یہ ہے کہ اس کے بہترین فوائد اور نتائج ان کو موجودہ زندگی میں بھی میسّر آئیں گے اور اس عالم میں بھی میسّر آئیں گے جہاں حق و باطل کا فیصلہ ہوگا۔ جہاں کی زندگی حقیقی زندگی ہے اور جہاں کی کامیابی ابدی کامیابی ہے۔

تیسری حیثیت

یہ کہ جو لوگ سچّائی کے سامنے گردن نہ جُھکائیں جو اس سے منہ موڑیں اُن کو آگاہ کر دیں کہ وہ موجودہ اور آخرت کی زندگی کی کامیابیوں سے مُنہ موڑ رہے ہیں اس کے بدترین نتائج اس زندگی میں بھی اُن کے سامنے آئیں گے اور اُس زندگی میں بھی جو حقیقی زندگی ہے۔ آپ کی حیثیّت یہ ہے کہ آپ نذیر ہیں۔ (آگاہ کرنے والے)

چوتھی حیثیّت

یہ کہ آپ داعی الی اللہ ہیں اور پانچویں حیثیت یہ ہے کہ آپ محض فطری خیر اندیشی اور خیر سگالی کی بناء پر دعوت نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جلیل اور عظیم خدمت کے لیے مامور ہیں۔

چھٹی خصُوصیّت

وہ ہے جو محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پُوری زندگی کا لب لباب ہے آپ کی تمام سوانح حیات ان دو لفظوں میں سموئی ہُوئی ہے کہ آپ سراج منیر ہیں۔ یعنی نوع انسان کی محفل میں رونق افروز ہیں، مگر اس طرح کہ سراسر سوز و گداز ہیں اور یہ سوز و گداز ہی وہ نور ہے۔ جو دوسروں کو روشن کر رہا ہے۔

اس چھٹی خصوصیّت کا مشاہدہ کرانے کے لیے حیاتِ مقدسہ کی مختصر سوانح آئندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔ (واللہ الموفق وھوالمعین)

شمع سوزاں اور سراج منیر کو گل کرنے کی کوشش

وہی "مُحمّد" (صلی اللہ علیہ وسلّم) سردارانِ قریش جس کو "الصّادق" اور "الامین" کہا کرتے تھے اس کی مقدس تعلیم کو جب اُنھوں نے اپنے مفادات کے لیے خطرۂ عظیم اور برقِ خرمن سوز سمجھا تو اب رات دِن ان کی کوشش یہ تھی کہ اس آواز کو دبائیں اور اس شمع کو گُل کردیں، چنانچہ باپ دادا کے مذہب قدیم کے نام پر عوام میں اشتعال پیدا کر دیا۔ جس پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور گِنے چُنے مُٹھی بھر مسلمانوں کے دَرپے ہوگئے اس کے علاوہ خود ان کی سرگرمیاں نئے نئے سِتم ایجاد کرنے میں مصروف رہنے لگیں۔ خانہ کعبہ کا حرم محترم جہاں خود ان کے عقیدے کے بموجب کسی بھی جاندار کو ستانا گناہ تھا۔ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) وہاں اپنے رب کی عبادت کرتے تو ستائے جاتے اور طرح طرح ستائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اگر مَیں نے دیکھ لیا کہ حرم کعبہ میں "محمّد" اپنا چہرہ زمین پر رکھے ہوئے ہیں، تو مَیں اُس کی گردن اپنے پَیر سے روند دوں گا۔[1]

ابوجہل نے تو ایسا نہیں کیا، لیکن اس کا دوست "عقبہ بن ابی معیط" اس سے بھی زیادہ حرکت کر گزرا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے چادر گردن میں ڈال دی اور اتنی زور سے اس کو اینٹھا کہ "محبوبِ خدا" (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا سانس گھُٹ گیا۔ آنکھیں باہر کو آنے لگیں۔

اتّفاق سے ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے، عقبہ کو دھکیل کر پیچھے کیا۔ چادر گردن مُبارک سے ڈھیلی کی اور اُن دُشمنانِ حق سے کہا۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ

کیا تم ایک آدمی کو اس پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رَبّ اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رَبّ کی طرف سے وہ روشن دلیلیں لایا ہے (جن کا تم انکار

---

[1] بُخاری شریف ص ۷۴۰، لَاَ طَئَنَّ عُنُقَهٗ ۱۲

نہیں کر سکتے)[1]

خانہ کعبہ کے قریب اکثر سرداران قریش کی نشست رہتی تھی۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے۔ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ فلاں محلّہ میں اُونٹنی ذبح ہوئی ہے۔ ایسا کرو کہ اس کا بچہ دان[2] اٹھا لاؤ اور "محمدؐ" کے سر پر رکھ دو۔ یہی بدبخت عقبہ بن ابی معیط کھڑا ہوگیا۔ اس محلّہ میں گیا۔ بچہ دان اُٹھوا کر لایا اور جب آپ سر بسجود تھے، پُورا ملغوبا سر مبارک پر ڈال دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حرکت کرنی مشکل ہوگئی (یا بارگاہ خداوندی میں مظلومانہ شکایت[3] کے لیے قصداً حرکت نہیں کی) مگر یہ بدبخت اپنی اس بدمستی پر خوش تھے اور قہقہے مارتے ہوئے ایک دوسرے پر ڈھلک رہے تھے۔

---

[1] بخاری شریف ص ۱۱۷ [2] سلا جزور۔ سلا بچہ دان (بخاری شریف وغیرہ) [3] قانونِ اسلام کے ماہرین یعنی حضرات ائمہ مجتہدین کے لیے یہ واقعہ ایک دوسرے نُقطہ نظر سے موضوع بحث بن گیا کہ نماز کے لیے پاکی شرط ہے جب اتنی پلیدی ڈال دی گئی تو کیا نماز باقی رہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ ختم کیوں نہیں کیا۔ فقہی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ بحث طلب ہے اس بناء پر امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء نماز اور بقاء نماز کی حالت میں فرق ہے۔ نماز کی ابتداء بیشک اس طرح کرنی چاہیے کہ بدن یا کپڑوں پر کوئی ناپاکی نہ ہو، لیکن بقاء نماز کیلیے یہ شرط نہیں ہے لیکن دیگر ائمہ کا یہ مسلک نہیں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ کا فتوٰی یہ ہے کہ اگر نماز میں ناپاکی اتنی دیر رہے کہ اتنی دیر میں ایک رکن ادا کیا جا سکتا ہے۔ تب نماز نہیں ہوگی اور اگر اس سے کم وقفہ تک رہے تو نماز ہو جائے گی۔ جو حضرات ابتداء اور بقاء دونوں کے لیے پاکی ضروری قرار دیتے ہیں، انکا ایک جواب وہ ہے جسکی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ناپاکی کا احساس ہُوا تو آپ نے یقین فرمالیا کہ نماز ختم ہوگئی اور اسی لیے آپ کو اتنا صدمہ ہُوا کہ آپ نے دُعا فرمائی۔ باقی آپ کا اسی حالت میں رہنا احتجاجاً تھا۔ یعنی آپ نے سر مبارک اس لیے نہیں اُٹھایا کہ آپ بارگاہ رب العالمین میں یہ حالت پیش فرما کر احتجاج فرما رہے تھے، لیکن حقیقت ہے کہ یہ تمام تحقیق اس وقت ہے جب یہ مان لیا جائے کہ پاکی کے احکام اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکے تھے لیکن اگر پاکی کا حکم (وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) مدثر بعد میں نازل ہُوا تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجرؒ نے سورۂ مدثر کی تفسیر میں ابن منذر کی روایت پیش کی ہے۔ القی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلی جزور فنزلت یعنی اس آیت کا سبب نزول ہی یہ واقعہ ہے

(فتح الباری سورۂ مدثر ص ۱۵۱ ج ۸)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چھوٹی صاحبزادی سیّدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو خبر ہوئی۔ وہ دوڑی ہوئی آئیں اور گندگی کے اس بوجھ کو سر مبارک سے ہٹایا۔[1]

جب حرم پاک میں رہنماؤں اور سرداروں کی یہ حرکتیں تھیں تو مکّہ کے عوام مکّہ کی گلیوں کوچوں میں جو کچھ کر گزرتے کم تھا، چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ اُوپر سے کوڑا کرکٹ "جسدِ اطہر" پہ ڈالا گیا۔ اور ایک پڑوسی عورت کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ وہ آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتی تھی۔[2]

اس قسم کی حرکتیں خُدا جانے کتنی ہوئیں اور لُطف یہ ہے کہ یہ حرکتیں اصل پروگرام سے زائد تھیں۔

---

[1] بُخاری شریف ص ۳۷ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جو تکلیف پہنچائی جاتی تھی۔ آپ اس کا اِنتقام تو کیا لیتے کبھی بد دُعا بھی نہیں کرتے تھے۔ البتہ حقوق اللہ کی توہین کی جاتی تھی تو آپ بے چین ہو جاتے تھے اور اس وقت بد دُعا کے الفاظ بھی زبان مُبارک پر آجاتے تھے۔ یہاں اس وقت جو کچھ کیا گیا اُس میں اوّل حرم کعبہ کی توہین تھی جو خود عقیدہ قریش کے بموجب بھی حق اللہ کی توہین تھی۔ دوم یہ کہ بارگاہ خُدا میں سجدہ ریزی کی توہین تھی جس کو ہر ایک سلیم الفطرت انسان کی فطرت حق اللہ کی توہین سمجھتی ہے، چنانچہ اس موقع پر ان سردارانِ قریش کے حق میں آپ کی زبان سے بد دُعائیہ کلمات نکلے اور وہ اس پُورے ہوئے کہ یہ سب سردار جنگ بدر میں مارے گئے۔

(بخاری شریف ص ۳۷ وغیرہ)

[2] یہ ابولہب کی بیوی تھی جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چچی بھی ہوتی تھی اور اُس نے آپ کو بچپن میں گود بھی کھلایا تھا۔ طبقات ابن سعد ص ۱۳۴ ج ۱۔

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت محترم حافظ محمّد یعقوب صابر صاحب مینجر "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ (ادارہ)

مولای صل وسلم دائما ابدا — درس حدیث — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درس حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ و لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

هنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد

حضرت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ایسا ہوا کہ گھر سے باہر تشریف لے گئے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام تھے ابو عسیب وہ فرماتے ہیں کہ مجھے آپؐ نے بُلایا، میں ساتھ ہو لیا، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بُلایا وہ بھی آگئے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا وہ بھی آگئے۔ پھر آپ تشریف لے گئے ایک باغ میں، وہ ایک انصاری کا باغ تھا۔ آپؐ نے فرمایا اُسے کہ تمہارے باغ میں کچھ کھجوریں ہیں وہ لاؤ، وہ ایک خوشہ لے آئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ جو یہ حضرات تھے اُنہوں نے یہ کھایا۔ پھر پانی منگوایا۔ ٹھنڈا پانی

وہ پیا۔ تو ایک تو اس میں یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی کے یہاں تشریف لے جائیں تو وہاں آپ اس سے کوئی چیز طلب کریں کہ یہ چیز لاؤ اور کھلاؤ، اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا یہ طریقہ دُرست ہے کہ آدمی کسی کے گھر جائے وہاں جاکر فرمائش کرے۔ فرمائش تو اسی سے کرے گا جس سے بے تکلّف ہوگا اور اسی چیز کی کرے گا جس کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ اس کے پاس موجود ہے۔ بہ سہولت حاصل ہو سکتی ہے۔

تو ایک تو یہ ہے کہ قرآن پاک میں بھی آیا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ کوئی حرج نہیں ہے اس میں کہ مِنْ صَدِيقِكُمْ اپنے دوست کے گھر سے کچھ کھالے۔ اس کا مدار اس پر ہے کہ تعلقات کس درجے میں ہیں اور کتنے بے تکلّفی کے ہیں؟

اگر اتنے تعلقات ہیں بے تکلّفی کے کہ وہ اس سے فرمائش کر سکتا ہے اور اتنی بے تکلّفی یہ ہے کہ اگر اِسے دِقت ہوگی تو وہ منع بھی کر سکتا ہے تو مجبور نہیں ہوگا، تو پھر ایسے ہوتا رہتا ہے اور دوست کر لیتے ہیں۔ وہ حد جواز میں ہے، لیکن ایسی صُورت بھی تھی کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو انصار نے مہمان نوازی کے لیے اور مصارف کے لیے اپنے باغات میں سے کچھ پھل دار درخت دے رکھے تھے کسی نے یہ نیت کر رکھی تھی کہ اتنے درخت، کسی نے کوئی اور نیت کر رکھی تھی کہ اتنے درخت، جو ان میں ذی استطاعت تھے وہ چند ایک تھے۔ اُنہوں نے اس طریقے پر باغات میں جناب رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے درخت مختص کر دیے تھے وہ دے ہی دیے تھے۔ رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو، تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی جگہ تھی، یہ باغ اسی طرح کا باغ ہے، اس لیے وہاں آپ نے جو طلب فرمایا تو وہ اپنے ہی درختوں میں سے طلب فرمایا اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعد میں جب تھوڑی سی گنجائش پیدا ہوئی ہے تو رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ درخت واپس دے دیے کچھ درخت ایسے تھے جو رُسول صلّی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان درختوں میں سے بھی آگے دے رکھے تھے وہ بھی واپس دلائے، کیونکہ ضرورت نہیں رہی۔ جب ضرورت نہیں رہی تو واپس دے دیے۔ ایسے ہُوا کہ رُسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے جب یہ تناول فرمایا۔

پہلے تو یہ تھا مسئلہ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دریافت فرماتے تھے کہ اس آدمی کا جو انتقال ہُوا ہے تو یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں، قرض تو نہیں ہے اس پر۔ اگر کہا جاتا کہ قرض نہیں ہے نماز پڑھ لیتے

تھے اور اگر کہا جاتا تھا قرض ہے تو نماز نہیں پڑھتے تھے، یہ پوچھتے تھے کہ اچھا اگر قرض ہے تو اس کا ترکہ کتنا ہے؟ وہ قرض ادا ہو سکتا ہے اس میں یا نہیں؟ اگر نہیں ہو سکتا تھا تو آپؐ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ایک صحابیؓ کا جنازہ اسی طرح لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ پڑھ لو اس کے اوپر قرض ہے۔ اس نے کچھ چھوڑا ہے جو قرض ادا ہو جائے؟ معلوم ہوا کہ نہیں، تو فرمایا تم لوگ پڑھ لو نماز۔ ایک صحابی نے کہا کہ جناب اس کی نماز پڑھا دیجیے۔ اس کا قرض میرے ذمّے ہے تو پھر آپؐ نے نماز پڑھا دی۔ بعد میں یہ دور آیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا مَنْ تَرَكَ كَلًّا اَوْ وَضَاعًا فَاِلَیَّ۔ جو آدمی ایسا آدمی چھوڑ جائے جو کما نہ سکتا ہو بوجھ ہو دوسروں پر جیسے بوڑھا باپ یا معذور کوئی وہ رہ گئے ہیں ورثاء میں تو میرے ذمّے ہے اُن کا قرض۔ بچّے کسی کے رہ گئے یتیم ان کا خرچ برداشت کرنے والا کوئی نہیں کرتا بھی کچھ نہیں، ترکہ بھی کچھ نہیں میت کا وہ بھی میرے ذمّے ہیں۔

مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ جو مال چھوڑ جائے تو اس کے جو ورثاء ہیں وہ لیں۔ یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعد میں ایسے اعلان فرمایا۔ جو ایسے ہوں جو ایسے ہوں تو وہ میرے ذمّے یعنی اس کی پوری پوری مدد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے تھے اور اس حکم میں تخفیف ہو گئی کہ جو مقروض ہو اس کی نماز بھی ادا کر سکتا ہے۔ بعد میں جب حالات بدلتے گئے تو آپ نے وہ جو حسن سلوک کرنے والے حضرات تھے، اُن کا مال واپس اُن کو خود بھی دے دیا اور خود جو آگے دے رکھا تھا کسی کو مثلاً اُمّ ایمنؓ ان سے واپس دلایا، وہ راضی نہیں ہوتیں تھیں واپس دینے پہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میں تمہیں یہ دوں گا۔ اچھا یہ لے لو۔ اچھا یہ لے لو، بہت گنے پر وہ پھر راضی ہوئیں تھیں ورنہ وہ راضی نہیں ہوتی تھیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ان کا بڑا لحاظ تھا۔ بہت ہی شفقت فرماتے تھے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ام ایمنؓ پر، تو ان کے لحاظ میں فرماتے رہے کہ تمہیں یہ دوں گا یہ دوں گا اور وہ کہنے لگیں کہ نہیں واپس نہیں ہوگا۔ میں نہیں دوں گی، اسی طرح کی جگہ کوئی ہے جس میں یہ سب حضرات پہنچے اور آپ نے بُلایا ہے ایک کو بُلایا پھر دو پھر تین۔ ایک اپنے مولیٰ جو خادم ہیں، اُن کو بُلایا۔ غلام ہوں، خادم ہوں۔ ابو عسیب پھر حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ اور پھر وہاں پہنچے اور وہاں فرمایا کہ یہ بُسر دو ہمیں یہ جو تازہ تازہ پکنے والی کھجوریں

ہوتی ہیں وہ۔ آدھی پکی ہوتی ہیں، وہ خوشہ لے آئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وہ تناول فرمایا۔اس کے بعد پانی طلب فرمایا۔پانی ٹھنڈا پسند تھا وہ پیا آپ نے پھر ارشاد فرمایا۔ لَتُسْئَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن تم سے یہ جواب تم نے نعمتیں حاصل کی ہیں کھائی ہیں اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے وہ خوشہ جو تھا وہ چھوڑ دیا ہاتھ سے۔اور اس کے دانے اِدھر اُدھر بکھر گئے ______

______ وہ (حضرت عمرؓ) عرض کرنے لگے اِنَّا لَمَسْئُوْلُوْنَ عَنْ هٰذَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن یہ جو ہم نے صرف کھایا اور پیا ہے اس کے بارے میں بھی سوال ہوگا؟ تو فرمایا ہر چیز کے بارے میں سوال ہوگا جو بھی نعمتیں انسان کھا رہا ہے یا پی رہا ہے حقیقت یہی ہے کہ یہ خدا کا احسان ہے وہ بنایا ہُوا خدا کا ہے اور یہ جو کھا پی سکتا ہے یہ بھی خُدا کا انعام ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ہاں صرف تین چیزیں ایسی ہیں (کہ جن کے بارے میں سوال نہیں ہوگا) وہ کپڑا کہ جسے آدمی فرض حد تک جتنا حصّہ چھپانا فرض ہے وہ چھپائے تو وہ سمجھ لو کہ ایسا نہیں ہے اَوْكِسْرَةٍ سَدَّ بِهَا جُوْعَتَهٗ یا کوئی ٹکڑا ہو روٹی کا جس سے وہ بھوک کو روک لے۔بھوک کا انسداد کرے اور یا کوئی ایسا چھوٹا سا مسکن اس کا بنا ہُوا ہے۔سُوراخ بنا ہُوا ہے کہ جس میں وہ پناہ لے لیتا ہے سردی اور گرمی میں۔وہاں وہ وقت گزار لیتا ہے چھوٹی سی کوئی جگہ بنی ہُوئی ہے۔یہ چیزیں اگر کوئی آدمی اتنے پر اکتفا کرتا ہے تو اس واسطے اللہ کے ہاں بچاؤ ہے لیے اس سے زیادہ اگر کچھ آتا ہے تو اس پر اسے شکر کرنا چاہیے اور اس کے بارے میں یہی کہنا چاہیے کہ تُو نے عطا فرمایا ہے اور ہماری لغزشوں کو تو معاف فرما کر نعمتوں میں داخل فرما دے۔ واجب الشکر نعمتیں ہیں اللہ کے ہاں سوال کم ازکم جو ہو سکتا ہے وہ یہ ہو سکتا ہے کہ مَیں نے تمہیں یہ نعمتیں دیں۔ تم نے شکر کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔خیال بھی نہیں گیا تھا کہ یہ کوئی چیز ہے۔ یہ تعلیم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مُسلمان کو دی ہے کہ وہ خُدا کی طرف توجہ رکھتا رہے اور جو اس کے انعامات ہیں ان کا اقرار کرتا رہے اُن کا شکر ادا کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا سے نوازے

لے مشکوٰۃ ص ۳۶۹

درسِ قرآن حکیم

(قسط : ۳)

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۱۹۸۸ء میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک شام کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی، آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہُوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اَب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہُوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہما اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچا دیں، اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اُسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔

دُعا مغز اور خلاصہ ہے عبادت کا

خیر بہرحال یہ بات دُور جا پڑے گی میں عرض کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ آسمانِ دُنیا پر اُترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ہے مانگنے والا ہم دینے کے لیے تیار ہیں جو خوش قسمت ہیں اور اس وقت جاگتے ہُوئے ہوتے ہیں وہ مانگتے ہیں اور منہ مانگی مُراد ملتی ہے۔ اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا۔

اے لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے وقتاً فوقتاً قبولیت کی ہوائیں چلتی ہیں تم سب ڈھونڈتے رہو، ایسا نہ ہو کہ وہ ہوا چلے اور تم غفلت میں پڑے ہُوئے سوتے رہو۔ ان اوقات کو ضائع نہ کرو۔

اور ضائع نہ جانے دو، بلکہ ٹوہ میں لگے رہو کونسا وقت مقبولیت کا ہے۔ تو کچھ ساعتیں ہوتی ہیں مقبولیت کی، کچھ اوقات ہوتے ہیں قبولیت کے۔ اُس میں جب آدمی مانگتا ہے تو مانگنا بھی خود عبادت ، عظیم عبادت بنتا ہے اور ملتی بھی ہے، مُنہ مانگی مُراد، تو یہ کہہ کر وہاں آسمانِ دُنیا پر اُترتے ہیں کہ اَنَا الْمَلِکُ میں بادشاہ ہُوں، یعنی آپ کسی رئیس سے مانگ لیں، دو چار روپے دے دے گا۔ کسی بڑے جاگیردار سے مانگ لیں۔ ممکن ہے سو پچاس ہزار روپے دے دے، لیکن بادشاہِ وقت جو پُورے مُلک کا حاکم ہے اس سے اگر مانگیں اور وہ خود یُوں کہے کہ بھلا مانگو مجھ سے تو اندازہ کیجیے کیا کچھ نہیں دے گا بادشاہ اور بادشاہ بھی وہ جو عالَموں کا بادشاہ ہو، بادشاہوں کا بادشاہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی کی کنجیاں ہوں وہ اگر یوں کہے کہ مانگو مجھ سے میں دُوں گا تو پھر کیا کچھ نہیں ملے گا۔

روزہ کی ایک عظیم برکت اور فضیلت

یہی وجہ ہے کہ یہ روزہ جو ہے اس کے جہاں اور ہزاروں فضائل اور برکات ہیں۔ من جملہ ان کے بڑی عظیم برکت اور فضیلت یہ بھی ہے روزے کی کہ روزے کے بارے میں فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ "اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" روزہ میری چیز ہے اور مَیں ہی اس کا بدلہ دُوں گا یعنی اور اطاعتوں اور عبادتوں کا بدلہ تو ضابطہ کا ہے کہ ملائکہ کو حکم دیں گے تقسیم کر دو ضابطہ کی اُجرت۔ ایک عمل کے دس عمل ہوں تو دس گُنا دے دی، لیکن روزے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روزہ میرا ہے اور مَیں ہی خود اس کا بدلہ دُوں گا، یعنی ملائکہ بیچ میں نہیں مَیں خود عطا کروں گا۔ روزہ دار کو اُس کا اجر اور اس کا ثواب، تو روزہ فرمایا کہ میرا ہے یہ اس واسطے فرمایا کہ اور عبادتوں میں امکان ہوتا ہے کہ آدمی دکھلاوے کے لیے کرے۔ نماز پڑھے یہ دِکھلانے کو بڑا عابد زاہد آدمی ہے، زکوٰۃ دے یہ دِکھلانے کے لیے کہ بڑا سخی داتا ہے، لیکن روزے کی کوئی شکل ہی نہیں کہ دِکھلائے وہ تو اللہ ہی کے لیے ہو سکتا ہے اور اگر روزہ رکھ کر کہتا پھرے آدمی کہ جناب میں روزہ دار ہُوں تو بجائے عزّت کے اور تذلیل ہو گی لوگ کہیں گے کہ بھئی کسی پر احسان کیا ہے جو روزہ رکھّا ہے جو ڈھول بھی پیٹتا پھر رہا ہے کہ مَیں نے روزہ رکھّا ہے تو جب تک آدمی زبان سے نہ کہے روزے کا روزہ ہونا معلوم نہیں، زبان سے نہ کہے تو کسی کو پتہ نہیں چلتا

اور کہے گا تو اور رسوائی ہو گی اس لیے خوامخواہ دم بخود رہے گا، لیکن یہ ہے کہ روزہ کسی کے سامنے ظاہر نہیں ہوتا اور جب روزہ ظاہر نہیں ہو سکتا کسی کے آگے، تو اس میں نہ ریا کاری کا دخل ہے نہ سُناوے کا نہ دکھلاوے کا نہ شہرت کا۔ یہ تو خاص اللہ ہی کے لیے ہو سکتا ہے، تو چونکہ یہ عبادت خالص اللہ کے لیے ہے اس واسطے فرماتے ہیں کہ جب اس میں ریا کا دخل نہیں دِکھلاوے کا دخل نہیں۔ خالص میرے لیے ہے تو مَیں ہی اس کا اَجر بھی دُوں گا یہ ضابطہ کا اَجر نہیں ہوگا۔ بادشاہ جب خود بانٹنے کے لیے بیٹھے وہ تو اپنی شان کے مطابق بانٹیں گے آپ کی حیثیّت کے مطابق نہیں اور اللہ کی جو شان ہے وہ لا محدود ہے تو پھر دے گا بھی اتنا کہ کوئی حد نہایت نہیں ہو گی اُس کی۔ تو بانٹنا جب خود چاہیں اور فرمائیں کہ میری چیز ہے میں بانٹوں گا تو وہ تو اپنی شان کے مطابق بانٹیں گے، تو جب یہاں یہ فرمایا اخیر رات میں اُتر کر کہ اَنَا الْمَلِكُ میں بادشاہ ہُوں مَنْ ذَا الَّذِیْ یَدْعُنِیْ ؟ کوئی ہے مانگنے والا ؟ تو مانگنے والا جب مانگے گا تو اپنی شان کے مطابق اُسے دیں گے، آپ کی شان کے مطابق نہیں، آپ کتنا بھی مانگیں وہ محدود چیزیں ہوں گی وہ جو دیں گے وہ اپنی شان کے مطابق وہ لا محدود ہوں گی تو برکات کی کوئی انتہا نہیں رہے گی تو بہر حال بادشاہت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر سائل کو دیں ہر فریادی کی فریاد سُنیں اور جب خود کہیں کہ مَیں سُننے کے لیے موجود ہُوں۔ کہو، تو پھر ظاہر بات ہے کہ کیا کچھ نہیں ملے گا۔

مظلوم کی بد دُعا سے بچنا چاہیے

لیکن مظلوم کے بارے میں فرما دیا کہ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ۔ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔ مظلوم کی بد دُعا سے بچو اس لیے کہ اُس کی دُعا میں اور اللہ میں کوئی بیچ میں فاصلہ نہیں ہوتا، کوئی رُکاوٹ نہیں ہوتی۔ دُعا سیدھی جا کر عرش سے ٹکراتی ہے، وہ دُعا اور پھر اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں جب مظلوم جس پر ظلم ہو رہا ہے وہ ہاتھ اُٹھا کر فریاد کرتا ہے تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ اَنْصُرُكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ۔ مَیں تیری مدد کروں گا گھبرانا مت، مگر تھوڑا سا وقفہ لگے گا، حکمت کے تحت، مایوس مت ہو جانا کہ دیر لگ گئی۔ تھوڑی سی اور مظلومیت چلے گی، مگر پریشان مت ہونا مَیں تیری مدد کے لیے پہنچا۔ تو بہر حال حق تعالیٰ شانہٗ

مَلِكٌ ہیں

اس سورت میں ملوکیّت کے لوازم اس کے آثار اس کے طور طریقے ظاہر کیے گئے ہیں

اور ملوکیّت کے بہت سے لوازم ہیں۔ اس سُورۂ مُبارکہ میں اللہ کی شہنشاہی بیان فرمائی گئی ہے

اس شہنشاہی کے لوازم اور اس کے آثار اور اُس کے طور اور طریقے یہ اس پُوری سُورت میں ظاہر فرمائے گئے ہیں تاکہ دُنیا میں جب ہم نظام قائم کریں کوئی تو اللہ کے نظام کو سامنے رکھ کر اُس کے مطابق اُس نظام کو چلائیں، اس لیے کہ حقیقی معنیٰ میں حکمرانی اور بادشاہت صرف اللہ کا حق ہے انسان کو بادشاہت کرنے کا حق حاصل نہیں۔

اسلام میں ملوکیّت کے بجائے خلافت رکھی گئی ہے

اسی واسطے اسلام میں ملوکیّت نہیں رکھی گئی خلافت رکھی

گئی ہے خلافت کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ اللہ تعالیٰ ہیں، اُن کا نائب بن کر اُن کے قانون کو ہم چلا رہے ہیں۔ خود بادشاہ نہیں ہیں۔ اقتدار اُن کا ہے۔ اُن کے اقتدار کے زیرِ سایہ ہم چل رہے ہیں نظام اُن کا ہے اُن کے نظام کو ہم چلا رہے ہیں۔ بادشاہی اُن کی ہے ہم اس کی ڈوڈی پیس رہے ہیں، دُنیا میں راج کر رہے ہیں تو ہم خود بادشاہ نہیں ہیں ہم خود صاحبِ اقتدار نہیں ہیں، اقتدار اللہ کا ہے اس کو چلانے کے لیے دُنیا میں انسان بھیجا گیا ہے خلیفہ بنا کر ------

---

سَب سے زیادہ بغض اور عداوت اللہ کو جس نام سے ہے وہ مَلِكُ الْاَمْلَاكِ یعنی شہنشاہ کا کوئی لقب اپنے لیے رکھے۔ کنگ رکھے

شہنشاہ ہے۔ یہ سَب سے زیادہ مبغوض ہے اللہ کو اس لیے کہ یہ لقب تو اُس کا ہے وہ ہے شہنشاہ، وہ ہے جہانوں کا بادشاہ، تو انسان کے لیے شہنشاہی اور بادشاہت نہیں رکھی گئی، عبادت اور بندگی رکھی گئی ہے اور بندگی یہ ہے کہ اُس کے نظام کو چلائے اس کا آلۂ کار بن کر، اس کا خادم بن کر، اسے خلیفہ کہیں گے، اسے نائب کہیں گے تو اس سُورت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اللہ کی بادشاہی کے اُصول بیان فرمائے ہیں۔ اللہ کی شاہی کا نظام ارشاد فرمایا تو نظام

بادشاہت میں سب سے پہلی چیز ہے

نظامِ بادشاہت میں سب سے پہلی چیز ہے بادشاہ کے اوصاف

بادشاہ کے اوصاف کہ بادشاہ کیسا ہونا چاہیے اور حق تعالیٰ شانہٗ بادشاہ ہیں تو اُن کی شان کیا ہے ان کی بادشاہی کی، تو بادشاہی کے مناسب کون سی شان ہے حق تعالیٰ کی کہ جس سے بادشاہت اُنہی کے لیے سزاوار ہے۔ دوسرے کے لیے نہیں۔ تو پہلی چیز ہے بادشاہ کے اوصاف اور کمالات کہ کس کمال کا ہونا چاہیے بادشاہ، وہ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔

دوسری چیز ہے بادشاہت کے لوازم

دوسرے یہ کہ وہ بادشاہ جب ہے تو اُس کی بادشاہت کے لوازم کیا ہیں؟ کون کون سی چیزیں لازم ہیں بادشاہت کے لیے کہ اُس کے بغیر بادشاہت عالمِ اسباب میں نہیں چلتی۔

تیسری چیز ہے ان لوازم کے آثار

تیسرے یہ ہوگا کہ ان لوازم کے آثار کیا ہیں بادشاہت کے۔ جس ملک میں بادشاہ بادشاہی کر رہا ہے تو اُس کی بادشاہی کے آثار کیا پڑ رہے ہیں، اچھے پڑ رہے ہیں یا بُرے پڑ رہے ہیں۔ مخلوق سکون و اطمینان سے ہے یا پریشانیوں اور اُلجھنوں میں مُبتلا ہے، کیا آثار پڑ رہے ہیں؟ ان آثار کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ بادشاہت بُہت اُونچی ہے اس لیے کہ سکون اور اطمینان ہے ملک کے اندر، یا معاذ اللہ بادشاہت بُہت خراب ہے اس لیے کہ ملک میں تو بدنظمی پھیلی ہُوئی ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ کی

بادشاہت کے نظام میں ایک نظام تکمیلی ہے دوسرا تکوینی

بادشاہت کے نظام میں ایک نظام تو ہے تکمیلی کہ جس میں انسانوں کا دخل نہیں وہ ایسا منظّم ہے کہ تِل برابر اُس میں کسی وقت کسی آن فرق نہیں۔ اپنے وقت پہ، کھیتیاں اپنے طریق پر اُگ رہی ہیں۔ پیدا ہونے والے پیدا ہو رہے ہیں۔ مرنے والے موسم اپنے وقت پہ آ رہے ہیں ——— سُورج اپنے وقت پہ نکل رہا ہے، چاند مر رہے ہیں۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرّر ہے۔ ذرہ برابر اس میں فرق نہیں، لیکن ایک بادشاہت کا نظام ہے تکوینی یعنی انسان کو خود اختیار دے کر انسان سے کہا گیا ہے کہ تُو چلا اس نظام کو اس میں انسان خرابے پیدا کرتا ہے۔ اس میں اپنی بدکرداری سے اور اپنی بُرائیوں سے اس نظام کو چلاتا ہے بلکہ اپنے ذاتی اقتدار کا نظام بنانا چاہتا ہے، اپنی بادشاہت جتانا چاہتا ہے، دوسروں

پر اللہ کی بادشاہی کو نہیں چلاتا، اور جب کسی کے اندر جاہ پسندی آئے گی، تو فطرتِ انسانی اُسے برداشت نہیں کرے گی۔ جب ایک شخص یُوں چاہے گا کہ مَیں بڑا بنوں اور دوسرے چھوٹے رہیں تو دباؤ میں آکے قہر میں آکے ممکن ہے بن جائیں چھوٹے، لیکن دِلوں میں نفرت ہو گی اسے حق کیا ہے ہمارے اُوپر حکمرانی کرنے کا؟ جیسے ہم ویسا یہ ہمارے برابر کا ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ مجھے بادشاہ مانو تو گوارہ نہیں کرے گی مخلوق، کرے گی تو دباؤ میں، اور اگر یُوں کہے کہ بھئی نہ مَیں بادشاہ نہ تو بادشاہ ہم سَب کا بادشاہ اللہ ہے، قانُون اس کا ہے مَیں تو چلانے والا ہُوں۔ سَب کے دِلوں میں عظمت بیٹھ جائے گی تو اپنی جاہ پسندی اپنے اقتدار دوسری مخلوق پر لاد نہیں سکتے، لیکن زور دباؤ میں آکے اپنا اقتدار چلاتے ہیں تو مخلوق فکر میں رہتی ہے کہ کوئی موقع پڑے تو اس کے اقتدار کو ختم کر دو پلٹ دو۔ اُس نے پارٹیاں بنالیں اُس نے ایجی ٹیشن شروع کیا اُس نے پبلک کو ہموار کیا، بغاوت پھیلائی تو یہ جو بدنظمی مُلک میں ہوتی ہے، اس کا سبب ہم ہیں، اللہ کی حکومت سبب نہیں جہاں بِلاواسطہ اس کی حکومت ہے اُس میں تِل برابر فرق نہیں۔ یہاں حکومت تمہارے واسطے سے کرنا چاہتے ہیں تاکہ تمہاری عزّت قائم ہو اور وہاں ہم اپنی ذاتی عزّت سمجھ کر اس نظام کو بگاڑتے ہیں۔ وہیں سے بدنظمی پیدا ہوتی ہے تو بدنظمی کا ذمّہ دار دُنیا میں انسان ہے حق تعالیٰ شانہٗ نہیں۔ ان کی بِلاواسطہ بادشاہت میں ذرہ برابر فرق نہیں جہاں تمہیں واسطہ بنایا وہیں تم نے اپنی کدورتوں کو داخل کر دیا تو نظام بگڑ جاتا ہے اس لیے اس سُورت میں اُصول بیان فرمائے گئے ہیں کہ نظامِ عالم کن اُصول پر چلنا چاہیے وہی اُصول ہیں جو اللہ کے بنائے ہُوئے اُصول ہیں۔ انہی پر چلو گے تو تمہارا نظام دُرست رہے گا۔ ان سے ہٹو گے دُرست نہیں ہو گا۔ اس لیے پہلی چیز تو آتی ہے بادشاہ کے اوصاف۔

بادشاہ کے اندر سب سے پہلی چیز لیاقت اور قابلیّت کا ہونا ہے

بادشاہ کے اندر سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ قابلیّت اور لیاقت ہونی چاہیے۔ کسی جاہل کو آپ بادشاہ بنا کر بٹھا دیں تو جاہل کی بادشاہت جاہلانہ ہی ہو گی اور اُن جاہلانہ چیزوں کا اثر بُرا پڑے گا تو نظم کی بجائے بدنظمی پھیل جائے گی تو بادشاہ کے اندر خود قابلیت اور کوئی کمال ہونا چاہیے کہ جس کی وجہ سے لوگ

بھی جھکیں اُس کے آگے اور اس کا کام بھی چلے۔

بادشاہ کی قابلیّت اور کمال یہ ہے کہ وہ مجسّمِ خیر ہونا چاہیے

اور وہ یہ کہ "خیر" جو چیز ہے وہ بادشاہ کے اندر ہونی چاہیے، اگر معاذ اللہ وہ شرور کا مجموعہ ہُوا بُرائیوں کا، تو وہ بُرائی پھیلے گی اس واسطے کہ مثل مشہور ہے کہ "الناس علی دین ملوکھم" جیسا راجہ ویسی پرجہ، جیسا بادشاہ ویسی رعایا۔ اگر بادشاہ ناہنجار ہے تو رعایا میں بھی ناہنجاری پیدا ہوگی۔ اگر بادشاہ کے اندر بھلائیاں ہیں تو رعایا میں بھی بھلائیاں پیدا ہوں گی۔ رعایا تو کوشش کرتی ہے کہ بادشاہ کے قریب تر چلے "الناس علی دین ملوکھم"۔

قیصر جرمنی کی تقریر کے چند جملے

جب یہ جنگِ عظیم جاری تھی تو قیصر جرمنی نے تقریر کی اور اُس نے تقریر میں چند جملے کہے تھے۔ اُس میں کہا تھا کہ اگر دُنیا سے تُرک مِٹ جائیں تو شجاعت اور بہادری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جہاں بھی بہادری پھیلی ہُوئی ہے وہ تُرکوں کی بہادری کا اثر ہے تو اگر تُرک مٹ جائیں تو بہادری کا خاتمہ، اور اگر جرمنی مِٹ جائے تو سائنس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (اُس زمانے میں اوّل نمبر پر جرمنی کا ملک تھا۔ سائنسی ایجادات میں، امریکہ اَب بنا ہے بعد میں، تو اُس نے کہا کہ اگر تُرک مِٹ جائیں تو بہادری کا خاتمہ اور اگر جرمنی مِٹ جائے تو سائنس کا خاتمہ) اور اگر فرانس مِٹ جائے تو عیاشی اور بے حیائی کا خاتمہ ہو جائے گا اور اگر انگریز دُنیا سے مٹ جائیں تو ڈپلومیسی، مکّاری، فریب بازی ان چیزوں کا خاتمہ ہو جائے گا تو ہر قوم کی ہر حکمران قوم کی کچھ خصُوصیات ہوتی ہیں اور جب وہ قوم حکومت کرتی ہے تو پبلک میں وہ خصُوصیات پھیلتی ہیں اگر مکّار بادشاہ ہے تو پُوری قوم کے اندر مکر اور فریب اور چالاکی اور بے ایمانی اور دغل فسل یہ چیزیں پھیل جائیں گی اور اگر بادشاہ دیانتدار ہے۔ متدیّن ہے تو پُوری رعایا کے اندر دیانتداری کا اثر ہوگا"

ڈاکٹر فیوض الرحمٰن جدون

خطبۂ تبوک

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف غزوات سے پہلے جو تاریخی خطبات ارشاد فرمائے وہ اپنی جامعیت اور اختصار کے لحاظ سے معجزہ سے کم نہیں ہیں اور اُن کا ایک ایک لفظ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

ذیل میں ہم آپؐ کا وہ خطبہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جو آپؐ نے رجب ۹ھ میں "تبوک" کے مقام پر ارشاد فرمایا تھا، یہ مبارک خطبہ آپؐ کے خطبات میں سے خاص اہمیّت کا حامل ہے، اسے اُردو ترجمہ کے ساتھ پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کیجیے۔

(۱) فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ	بلاشبہ سب سے زیادہ سچّی بات اللہ کی کتاب قرآن ہے۔
(۲) وَأَوْثَقُ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى۔	اور سب سے مضبوط حلقۂ زنجیر تقویٰ کا ایک لفظ ہے۔
(۳) وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ إِبْرَاهِيْمَ	اور بہترین ملّت ابراہیم (علیہ السّلام) کی ملّت ہے۔
(۴) وَخَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ۔	اور بہترین سُنّت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سُنّت ہے۔
(۵) وَأَشْرَفُ الْحَدِيْثِ ذِكْرُ اللّٰهِ۔	اور سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے۔
(۶) وَأَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْاٰنُ	اور سب سے اچھّا قصّہ یہ قرآن ہے۔
(۷) وَخَيْرُ الْأُمُوْرِ عَوَازِمُهَا،	اور سب سے اچھّا کام وہ ہے جو پوری توجّہ کے

ساتھ صحیح طور پر کیا جائے۔

⑧ وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا — اور سب سے بُرا کام وہ ہے جو اصل کام پر نیا اضافہ (بدعت) ہو۔

⑨ وَ اَحْسَنُ الْهَدْیِ هَدْیُ الْاَنْبِیَآءِ — اور سب سے اچھّی راہ (راہِ زندگی) انبیاء کرام کی راہ ہے۔

⑩ وَ اَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَآءِ — اور سب سے زیادہ عزّت والی موت شہیدوں کی موت ہے۔

⑪ وَ اَعْمَی الْعَمٰی الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰی۔ — اور سیدھی راہ پالینے کے بعد گمراہی سب سے بڑی بے بصری ہے۔

⑫ وَ خَیْرُ الْاَعْمَالِ مَا نَفَعَ — اور سب اچھّا عمل وہ ہے جو نفع پہنچائے۔

⑬ وَخَیْرُ الْهُدٰی مَا اتُّبِعَ — اور سب سے اچھّا طریقہ وہ ہے جس کی اتّباع کی جائے۔

⑭ وَ شَرُّ الْعَمٰی عَمَی الْقَلْبِ — اور بہت ہی بُری نابینائی دل کی نابینائی ہے

⑮ وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی — اور اُوپر والا ہاتھ۔ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

⑯ وَ مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْهٰی — جو (مال) کم ہو اور ضرورت کے لیے کافی ہو جائے وہ اس سے بہتر ہے جو بہت ہو اور غافل کر دے۔

⑰ وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِیْنَ یَحْضُرُ الْمَوْتُ — انتہائی بُری معذرت (توبہ) اس وقت کی ہے جب موت سامنے آجائے۔

⑱ وَشَرُّ النَّدَامَةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ — اور سب سے بُری ندامت وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔

⑲ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَّا یَاْتِی الْجُمُعَةَ اِلَّا دُبُرًا — اور کچھ لوگ وہ ہیں جو جمعہ میں نہیں آتے مگر بڑی دیر سے۔

(۲۰) وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يَذْكُرُ اللّٰهَ اِلَّا هَجْرًا

اور کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ کو نہیں یاد کرتے مگر کبھی کبھی۔

(۲۱) وَمِنْ اَعْظَمِ الْخَطَايَا اللِّسَانُ الْكَذَّابُ

اور بہت بڑے گناہوں میں سے جھوٹ بولنے والی زبان ہے۔

(۲۲) وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ

اور بہترین امیری دل کی امیری ہے۔

(۲۳) وَخَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى

اور بہترین زادِ سفر تقویٰ ہے۔

(۲۴) وَرَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

اور دانائی کا سب سے اُونچا درجہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا ہے۔

(۲۵) وَخَيْرُ مَا وَقَرَ فِي الْقُلُوْبِ الْيَقِيْنُ۔

اور بہترین چیز جو دلوں میں جاگزیں ہو (وہ) یقین ہے۔

(۲۶) وَالْاِرْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ۔

اور شک و شُبہہ کفر کی ایک قسم ہے۔

(۲۷) وَالنِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ

اور نوحہ کرنا دورِ جاہلیت کے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔

(۲۸) وَالْغُلُوْلُ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ۔

اور غلول (ہیرا پھیری، دھوکہ دہی) جہنّم کی تپش میں سے ہے۔

(۲۹) وَالسُّكْرُ كَيٌّ مِّنَ النَّارِ

اور نشہ جہنّم کی آگ سے داغ ہے۔

(۳۰) وَالشِّعْرُ مِنْ اِبْلِيْسَ

اور شعر ابلیس کی طرف سے ہے۔

(۳۱) وَالْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ

اور شراب سارے ہی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

(۳۲) وَشَرُّ الْمَاْكَلِ مَالُ الْيَتِيْمِ

اور بہت ہی بُرا کھانا ہے یتیم کا مال کھانا

(۳۳) وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ

اور خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔

(۳۴) وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ

اور بدبخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہوگیا ہو۔

(۳۵) وَإِنَّمَا يَصِيْرُ أَحَدُكُمْ إِلَى مَوْضِعِ أَرْبَعَةِ أَذْرُعٍ وَالْأَمْرُ إِلَى الْآخِرَةِ

اور تم میں سے ہر شخص بالآخر چار ہاتھ زمین ہی تک پہنچتا ہے اور معاملہ آخرت کے سپرد ہو جاتا ہے۔

(۳۶) وَمِلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهُ

اور عمل کی حقیقت اس کے آخری حصے ہوتے ہیں۔

(۳۷) وَشَرُّ الرَّوَايَا رَوَايَا الْكَذِبِ

اور بہت ہی بُرا خواب ہے جھوٹا خواب۔

(۳۸) وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ قَرِيْبٌ

اور جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہے۔

(۳۹) وَسِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ

کسی صاحبِ ایمان کو گالی دینا فسق (گناہ) ہے۔

(۴۰) وَقِتَالُهُ كُفْرٌ

اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔

(۴۱) وَأَكْلُ لَحْمِهِ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ

اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سے ہے۔

(۴۲) وَحُرْمَةُ مَالِهِ كَحُرْمَةِ دَمِهِ

اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے

(۴۳) وَمَنْ يَتَأَلَّ عَلَى اللّٰهِ يُكَذِّبْهُ

اور جو اللہ کی قسم کھاتا ہے اللہ اُس کو جھٹلا دیتا ہے۔

(۴۴) وَمَنْ يَغْفِرْ يُغْفَرْ لَهُ

اور جو بخش دیتا ہے (معاف کر دیتا ہے) اللہ اُسے بخش دے گا

(۴۵) وَمَنْ يَعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ عَنْهُ

اور جو معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دے گا۔

(۴۶) وَمَنْ يَكْظِمِ الْغَيْظَ يَأْجُرْهُ اللّٰهُ

اور جو غصّہ پی جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اجر دے گا۔

(۴۷) وَمَنْ يَصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ

اور جو حق تلفی پر صبر کرتا اللہ تعالیٰ اُسے معاوضہ دے گا۔

(۴۸) وَمَنْ يَبْتَغِ السُّمْعَةَ

اور جو شہرت کے پیچھے پڑ جاتا ہے اللہ تعالیٰ

(باقی ص ۵ پر)

مکتوبِ گرامی

حضرتِ اقدس مولانا سیّد حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ

محترم و مکرم دام مجدکم !

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

ایک صاحب نے ایک چارٹ بنایا تھا جس میں مروان اور یزید کو خلفاء اور بارہ اماموں میں شمار کیا تھا۔ لَا فَتٰی اِلَّا مُحَمَّدٌ کی جدت بھی کی تھی اور بھی کچھ سوالات تھے۔ ان کے جواب میں یہ خط لکھا گیا ہے۔ (حامد میاں)

○

۷۸۶

محترم و مکرم !

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

آپ کا خط موصول ہُوا خوشی ہُوئی کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ آپ پُوچھ لیتے ہیں۔

آپ کے خط میں سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ امام کا لفظ ہے، حضرت امام صدّیق آپ نے لکھا ہے۔ چاہے امام کا لفظ شیعوں کے جواب کے لیے کتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو، مگر طبیعت کو کچھ اچھّا نہیں لگا۔ وہ خلیفۂ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تھے اور اس سے بڑا مقام اس اُمّت میں کوئی نہیں۔ میرے خیال میں اگر آپ امام کا لفظ لکھنا چاہیں تو خلیفۃ رسُول اللہ امام الامۃ ابوبکر الصدّیق لکھا کریں۔

لَا فَتٰی اِلَّا مُحَمَّدٌ کچھ بھلا نہیں لگتا۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقام اس سے بُہت بلند ہے کہ آپ کے لیے فَتٰی کا لفظ استعمال کیا جائے۔ اس کا مفہوم

ایسا ہے جیسے جوان یا جوان پٹھا کسی نوجوان کو داد دینے کے لیے کہا جائے۔ مَیں نے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ کی روایت نہیں دیکھی۔ اگر آپ سے دیوبندی علماء اور اہلِ حدیث نے کہا ہے کہ یہ روایت ہے تو ٹھیک ہی کہا ہوگا۔ اسے آپ اسی طرح رہنے دیں۔ اس میں تصرف نہ کریں۔

مروان تو صحابی نہیں ہیں۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔

قَالَ الْبُخَارِیُّ لَمْ یَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ — امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نہیں دیکھا۔

اسی کتاب میں دو سطروں کے بعد لکھا ہے کہ مروان نے ایک گفتگو میں کہا۔

لَیْسَ ابْنُ عُمَرَ بِاَخْیَرَ مِنِّیْ وَلٰکِنَّہٗ اَسَنُّ مِنِّیْ وَکَانَتْ لَہٗ صُحْبَۃٌ — حضرت ابن عمر مجھ سے بہتر نہیں ہیں، لیکن وہ مجھ سے عمر میں زیادہ بڑے ہیں اور اُنہیں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت ملی ہے۔

(تہذیب التہذیب ص ۹۲ ج ۱۰)

اسی میں لکھا ہے کہ اسمٰعیلی نے امام بخاریؒ پر اُن کی روایت نقل کرنے کو معیوب قرار دیا ہے: وَعَابَ الْاِسْمٰعِیْلِیُّ عَلَی الْبُخَارِیِّ تَخْرِیْجَ حَدِیْثِہٖ۔

اسی صفحہ پر یہ لکھا ہے:

وَعُدَّ مِنْ مُّوْبِقَاتِہٖ اَنَّہٗ رَمٰی طَلْحَۃَ اَحَدَ الْعَشَرَۃِ یَوْمَ الْجَمَلِ وَھُمَا جَمِیْعًا مَعَ عَائِشَۃَ رضؓ فَقُتِلَ۔ — ان کے مہلک اعمال میں یہ بات شمار کی گئی ہے کہ اُنہوں نے حضرت طلحہ کو جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جمل کے دن تیر مارا اور وہ دونوں حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے تو اُن کو شہید کر دیا۔

اس واقعہ کو ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح لکھا ہے کہ لوگوں میں یہ چرچا تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل تھے۔ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تھا اور ان پر دباؤ ڈالا تھا۔ اس لیے مروان نے موقع پاکر اُنہیں شہید کیا۔

وہ لکھتے ہیں:

وَلَا یَخْتَلِفُ الْعُلَمَاءُ الثِّقَاتُ — معتبر علماء کا اس بات میں اختلاف ہی نہیں

فِیْ اَنَّ مَرْوَانَ قَتَلَ طَلْحَةَ يَوْمَئِذٍ وَكَانَ فِيْ حِزْبِهٖ۔ ہے کہ مروان نے حضرت طلحہؓ کو اس دن شہید کیا اور وہ اسی جماعت (لشکر) میں تھے۔

اس سے اگلے صفحہ پر اس کے قاتل ہونے کی سندیں ذکر کی ہیں۔ یہ سندیں امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کی سندیں ہیں یا اُنکی شروط پر ہیں۔ مثلاً

① ابن ابی شیبة قال نا ابواسامة قال نا اسمٰعیل بن ابی خالد قال ناقیس۔

② وکیع عن اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس۔

③ حماد بن زید عن قرة بن خالد عن ابن سیرین۔

اس میں ہے فَاَقَرَّ مَرْوَانُ اَنَّهٗ رَمَاهُ کہ مروان نے اقرار کیا کہ اُس نے ہی اُن کے تیر مارا ہے۔ اُنھوں نے یہ روایت بھی دی ہے کہ اس نے ابان بن عثمانؓ سے کہا کہ مَیں تمہارے والد کے بعض قاتلوں کے لیے تو کافی ہوگیا ہُوں اور یہ روایت بھی دی ہے کہ مَیں آج کے بعد اپنے خُون کا بدلہ نہ لُوں گا۔ (استیعاب حرف الطاء ج ا ص ۲۰۷ و ۲۰۸)

اس کے قاتل ہونے کی صحیح روایتیں حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے اصابہ میں دی ہیں۔ ج ا ص ۲۲۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۹ء

اُن کے صحابی نہ ہونے کی وجہ اور اُن کے والد کا حال اگر کسی کے پاس "اسد الغابۃ" مل جائے تو اس میں حرفِ حاء حکم بن ابی العاص نکلوا کر دیکھ لیں۔ دوسری جلد میں ص ۳۳ پر شروع ہُوا ہے۔ کوئی ڈیڑھ صفحہ ہوگا۔

یہ فتح مکّہ کے موقع پر مُسلمان ہُوئے، پھر مدینہ تشریف لے آئے یا مکّہ مکرّمہ ہی میں تھے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تاک جھانک کرتے تھے اور چال کی نقل اُتارتے تھے ایک دن رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود دیکھا تو اُنھیں مدینہ شریف سے چلے جانے کا حکم دیا۔ یہ طائف چلے گئے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں اُنھوں نے مدینہ شریف آنا چاہا، لیکن اُنھوں نے اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے اُنھیں آنے کی اجازت دے دی۔ جب اُن سے پُوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ مَیں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ان کی

سفارش کی تھی تو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مَیں انہیں بُلاؤں گا ــــ یہ اُس کا خلاصہ ہے۔ واللہ اعلم...

بہر حال وہ صحابی ہیں، ممکن ہے اسلام قبول کرنے کے بعد ابتداء میں ایسی لغزش ہُوئی ہو۔

حافظ ابن حجر نے بُخاری شریف کی شرح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرت طلحہ کو شہید کرنے میں تو اُنہوں نے تاویل کی تھی۔ (یعنی ان کے دماغ میں یہ تھا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرانے والوں میں ہیں۔) اُنہوں نے لکھا ہے کہ ان سے اس زمانہ تک کی روایتیں لی گئی ہیں جب تک کہ اُنہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مقابلہ اور اُن کی مخالفت نہ کی تھی ــــــ

(مقدمہ فتح الباری ص ۲۱۲ حصّہ دوم)

بس یہ حقیقت حال اور بہت سی کتابوں میں بھی یہی مضمون مَیں نے دیکھا ہے۔ خلاصہ یہ ہُوا کہ وہ صحابی نہیں ہیں۔ اُن سے سخت قسم کی غلطی ہُوئی ہے کہ حضرت طلحہ رض کو بے تحقیق شہید کیا۔ یہ اُن پر سخت قسم کا اعتراض ہے۔ اور حدیثیں اُن سے ایک خاص زمانہ تک کی لی گئی ہیں اور ایسی حدیث کوئی نہیں ہے جس کی دیگر محدثین کی روایتوں سے تصدیق نہ ہوتی ہو۔

دوسرے یہ کہ ایک آدمی نے جو جرم کیا ہو، اسی کا الزام لگایا جائے گا جو جرم نہ کیا ہو یعنی کذب فی الحدیث اس کا الزام ان پر کیوں لگایا جائے۔ یہ گناہ انہوں نے نہیں کیا۔ اگر ایسا کرتے تو سخت بدنامی ہوتی۔ یہ اُن کے لیے کم از کم سیاستہً بھی مضر ہوتی۔

اس لیے میرے خیال میں ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا درجہ بہت بڑا ہے۔

(۴) ابنِ تیمیہ کا یزید کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ ہے اس کا نام ہے۔ سوال فی یزید۔ اس میں لکھتے ہیں۔

ثم افترقوا ثلاث فرق فرقة لعنه وفرقة احبه وفرقة لاتسبه ولا تحبه وهذا هوالمنصوص عن الامام احمد وعليه المقتصدون من اصحابه وغيرهم من جميع المسلمين۔	پھر اہلِ سُنّت کے تین فرقے ہوگئے ایک تو اس پر لعنت کرتا ہے، دوسرا اُس سے محبّت رکھتا ہے، تیسرا نہ بُرا کہتا ہے نہ محبّت رکھتا ہے اور یہی وہ قول ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے صاف طرح منقول ہے اور اُن کے متبعین وغیرہم سارے ہی مسلمانوں میں سے میانہ روی اختیار کرنے والے

قال صالح ابن احمد قلت لابی ان قوما یقولون انهم یحبون یزید. فقال یا بنی و هل یحب یزید احد یؤمن بالله والیوم الاٰخر قلتُ یا ابتی فلما ذالا تلعنه فقال یا بنی و متٰی رأیتَ اباك یلعن احدا۔

اسی کے قائل ہیں۔ صالح ابن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ یزید کو محبوب رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا بیٹا کیا یزید سے کوئی بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والا محبّت رکھتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ اَبّا جان پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے، فرمانے لگے بیٹا تم نے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے کب دیکھا ہے؟

وقال مهنّا سالت احمد عن یزید بن معاویة بن ابی سفیان فقال هوالذی فعل بالمدینة ما فعل قلت وما فعل؟ قال قتل من اصحاب رسول الله صلّی الله علیه وسلّم وفعل قلت ومافعل قال نهبها قلت فیذکر عنه الحدیث قال لا یذکر عنه حدیث و هٰکذا ذکر القاضی ابویعلی وغیره۔ (سوال فی یزید ص ۲۷)

اور مهنّا نے بیان کیا کہ مَیں نے امام احمدؒ سے یزید ابنِ معاویہؓ ابن ابی سفیان کے بارے میں پُوچھا تو اُنہوں نے فرمایا وہ وہی ہے جس نے مدینہ منوّرہ میں کیا کیا کچھ کیا۔ مَیں نے دریافت کیا کہ کیا کیا ہے فرمایا اس نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابۂ کرام کو شہید کیا اور (بہت کچھ) کیا۔ مَیں نے دریافت کیا کہ اور کیا کیا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا کہ اس نے مدینہ شریف کو لوٹا ہے۔ مَیں نے پُوچھا کہ کیا اس سے کسی حدیث کی روایت ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اس سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے اور اسی طرح قاضی ابویعلیٰ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

اسی رسالہ میں ابن تیمیہ ص ۳۰ پر ایک حاکم سے اپنی گفتگو میں یہی جملہ نقل کرتے ہیں:

لا نسبه ولا نحبه فان لم یکن رجلا صالحا فنحبه

نہ ہم اسے بُرا کہتے ہیں اور نہ اس سے محبّت رکھتے ہیں کیونکہ وہ کوئی صالح شخص تو تھا نہیں کہ اس سے محبّت رکھیں۔

پھر اُن سے پُوچھا گیا۔

اَمـا كان ظالمـا؟ امـا قتل الحسين؟ فقلت له نحن اذا ذكر الظالمون كالحجاج ابن يُوسف وامثاله نقول كما قال الله فِي القرآن اَلَا لَعْنَـةُ اللهِ عَلَى الظّٰلِمِيْن ولا نحب ان نلعن احدا بعينه وقد لعنه قوم من العلماء وهٰذا مذهب يسوغ فيه الاجتهاد لكن ذالك القول احب الينا واحسن ۔ واما من قتل الحسين اواعان علىٰ قتله او رضى بذالك فعليه لعنة الله والملٰئكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا۔

کیا وہ ظالم نہ تھا؟ کیا اُس نے حضرت حسین رض کو شہید نہیں کیا؟ مَیں نے (گورنر) سے کہا کہ ہم ظالموں کے ذکر کے وقت جیسے حجاج بن یوسف اور اُس جیسے اور لوگوں کا تذکرہ ہو تو وہی جملہ کہہ دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے اَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظّٰلِمِيْن۔ اور ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ کسی کو معین کر کے (اس کا نام لے کر) لعنت کریں۔ ہاں علماء کے ایک طبقہ نے اس پر لعنت کی ہے اور اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، لیکن ہمیں یہی بات زیادہ پسند ہے اور ہمارے نزدیک اچھی ہے۔ اور حضرت حسین رض کو جس نے شہید کیا یا ان کے شہید کرنے والوں کی مدد کی یا اس پر مطمئن اور رضامند ہُوا تو اس پر خُدا کی اس کے فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ اس سے اس کے عذاب کا کوئی بدل قبول نہ کرے۔

(سوال فی یزید ص ۳۰)

بہر حال آپ کی معلومات کے لیے جو لکھا گیا اتنا بھی کافی ہو سکتا ہے جو آپ کی طلب تھی اس کا جواب آگیا ہے کہ مروان کے واقعہ کی سند کیا ہے اور حوالہ کیا ہے۔ یزید کے بارے میں ابن تیمیہ کے یہ جملے کہاں ہیں؟ اندازہ کریں یزید کا مقابلہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے کیسے کیا جا سکتا ہے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اُنہیں ساتھ ساتھ لکھنا بھی غلط ہے۔

حدیث شریف میں بارہ اماموں کا ذکر آیا ہے، مگر یہ نہیں آیا کہ مسلسل ہوں گے۔

آپ نے لکھا ہے بلوانے والے کوفی شہید کرنے والے کوفی ماتم کرنے والے کوفی اتہام لگانے والے کوفی، لیکن عبید اللہ بن زیاد تو کوفی نہ تھا۔ وہ یزید کا گورنر تھا۔ یزید نے اسے گورنری

(باقی ص ۴۶ پر)

فرمودات شیخ الاسلام

مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ

شیخ الاسلام حضرت الامام مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے مکتوبات سے نصیحتوں، سبق آموز حکایات اور دیگر کام کی باتوں کا انتخاب، جو ہمارے لیے نہایت مفید ہیں۔

مرتّب: حافظ تنویر احمد شریفی الخطّاط۔ ناظم اعلیٰ تنظیم القراء والخطّاط ٹرسٹ، پاکستان۔

فرصت کے اوقات کی قدر کیجیے

فرمایا کہ فرصت کے اوقات میں سیّد شہیدؒ کے ملفوظات کا مطالعہ کیجیے، جس کو مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے اور امداد السّلوک بھی۔ یہ تصوّف کی بلند پایہ کتابیں ہیں۔

(مکتوب ۱۲ ص ۸۹ ج ۱)

حتی الامکان وساوس کو دفع کیجیے

فرمایا کہ وسوسہ وخطراتِ نفس کی فکر نہ کیجیے، حتی الامکان ان کے دفع کی کوشش کرنا چاہیے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ الخ یعنی جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑ گیا اُن پر شیطان کا گزر، چونک گئے۔ پھر اسی وقت ان کو سُوجھ آتی ہے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس آتا ہے اور وسوسے دلاتا ہے اگر وسوسوں سے زیادہ تردّد ہے تو سورۃ الناس کا وظیفہ کیجیے۔ یہ اکسیر اعظم ہے۔ (ایضاً ص ۸۹)

سوتے وقت دو رکعت پڑھنا

فرمایا کہ آخر شب میں تہجّد کی بھی کوشش کیجیے۔ اگر مشاغل کی کثرت سے موقع نہ ملے تو چنداں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حُسنِ نیت بھی مفید نتائج پیدا کرتی ہے اگر سوتے وقت دو رکعت سورۂ بقرہ آخر رکوع کے ساتھ پڑھ لیں تو کافی ہے۔ اِنشاء اللہ، جیسا کہ احادیث صحیحہ اس سلسلہ میں وارد ہیں

(باقی ص ۵ پر)

آہ! مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

وہ کہ تھا اس دور میں سرمایۂ مجد و شرف
وہ کہ وابستہ رہیں جس سے روایاتِ سلف

وہ کہ جس کا خُلق تھا آئینۂ خُلقِ رسول ؐ
وہ کہ ضو افگن تھی جس کے دل میں برقِ لاتخف

وہ کہ تھی اک پیکرِ عزم و عمل جس کی حیات
وہ کہ جیتے جی رہا راہِ خدا میں سر بکف

وہ کہ نسبت ہے، جسے اللہ کے محبوب ؐ سے
وہ کہ جس کے زھد و تقویٰ کے ہیں چرچے ہر طرف

وہ کہ جس نے لاج رکھی قاسمؒ و محمودؒ کی
وہ کہ ہونے دی نہ میراثِ سلف جس نے تلف

وہ کہ جس کے صبر نے دی ہر مصیبت کو شکست
وہ کہ جس کا دل رہا تیرِ حوادث کا ھدف

وہ کہ تھا ہر ایک سے مانوس با وصفِ کمال
وہ کہ تھے جس کی نظر میں ایک دُرّ ہوں یا خزف

وہ کہ تھی شب زندہ داری جس کے معمولات میں
وہ کہ حد درجہ جسے تھا خدمتِ دیں سے شغف

وہ کہ جس کے خانداں کا مورثِ اعلیٰ حسین رضؓ
وہ کہ جس کے سلسلے ہیں از مدینہ تا نجف

وہ کہ جس کا عصرِ حاضر میں کوئی ثانی نہیں
وہ کہ ہم دوشِ سلف جس کی بدولت ہے خلف

آہ! وہ مردِ مجاھد، وہ حسین احمد کہاں!
اِس گُھر کے غم میں ہے صد چاک دامانِ صدف

محمد وارث کامل

۱۶ ۔ ۱۲ ۔ ۵۸

(بشکریہ ہفت روزہ چٹان لاہور)

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اسلام اور اکل حلال

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدّد مقامات پر حلال کھانے کی تاکید اور حرام سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ (۲:۱۶۸)

اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (۱۶:۱۱۴)

سو کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ کے احسان کا، اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (۲:۱۷۲)

اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اللہ تعالیٰ رزقِ حلال کھانے کی جو اس قدر تاکید فرما رہے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان دیگر حیوانات کی طرح نہیں کہ اس کا مقصدِ زندگی دُنیا میں کھانے پینے، سونے جاگنے اور جینے مرنے تک محدود ہو۔ اس کو قدرت نے مخدوم کائنات کسی خاص مقصد سے بنایا ہے اور وہ مقصد اعلیٰ پاکیزہ اخلاق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اسی لیے بد اخلاق انسان درحقیقت انسان کہلانے کے قابل نہیں۔

قرآنِ کریم نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ یعنی وہ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

جب انسان کی انسانیت کا مدار اصلاحِ اخلاق پر ہُوا تو ضروری ہے کہ جتنی چیزیں انسانی اخلاق کو گندا اور خراب کرنے والی ہیں اُن سے اِس کا مکمّل پرہیز کرایا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کتابِ ہدایت میں بار بار حلال کھانے کی تاکید اور حرام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

اکل حلال کی برکات

اکل حلال کی بڑی برکات ہیں۔
حلال کھانے سے

① اخلاقِ حسنہ پیدا ہوتے ہیں اور اخلاقِ رزیلہ سے نفرت ہوتی ہے۔
② اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔
③ عبادت میں دل لگتا ہے۔
④ گناہ سے دل گھبراتا ہے۔
⑤ قلب میں نُور اور معرفت پیدا ہوتی ہے۔
⑥ دُعا قبول ہوتی ہے۔
⑦ کمائی میں برکت ہوتی ہے۔
⑧ اللہ اور اللہ کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رضا نصیب ہوتی ہے۔
⑨ جنّت میں داخلہ اور دوزخ سے نجات ملتی ہے۔

ذیل میں ہم اکل حلال کی برکات سے متعلّق چند واقعات ذکر کرتے ہیں۔

شاہِ افغانستان کا ایک سبق آموز واقعہ

حکیم الاسلام حضرت قاری محمّد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اس پر مجھے ایک بات یاد آئی دیکھنے میں تو معمولی ہے، لیکن سمجھ دار کے لیے سبق آموز ضرور ہے وہ یہ کہ افغانستان کے بادشاہ امیر دوست محمّد خاں صاحب جو امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب کے والد اور امان اللہ خاں کے دادا تھے۔ بہت دین دار بادشاہ تھے۔ ان کی دینی باتیں ضرب المثل تھیں۔ ایک روز وہ شاہی محل سرائے میں آئے تو چہرہ کچھ اداس سا تھا، بیگم نے پُوچھا کہ آج آپ کے چہرہ

پر غمگینی اور اداسی کیوں ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک بہت بڑے حادثے کی اطلاع آئی ہے جس کی بنا پر مَیں مغموم ہُوں اور پریشان ہُوں وہ یہ ہے کہ افغانستان پر کسی دُشمن نے حملہ کیا تو مَیں نے اپنے شہزادے کو فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔

آج سرحد سے یہ خبر آئی ہے کہ شہزادے کو شکست ہوگئی ہے اور وہ دوڑتا ہُوا آرہا ہے اور دُشمن اس کے پیچھے پیچھے ملک کو فتح کرتا ہُوا آرہا ہے۔ تو دو غم مجھے لاحق ہیں ایک تو ملک ہاتھ سے گیا وہ دوسروں کے قبضہ میں چلا جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ میرا شہزادہ شکست کھا کے آیا اور بُزدلی دکھلائی۔ یہ داغ میرے اُوپر مرتے دم تک باقی رہے گا کہ میرا شہزادہ کمزور اور بُزدل ہے ان دو غموں کی وجہ سے میرا چہرہ اُداس ہے۔

بیگم نے کہا یہ سب جھُوٹی باتیں ہیں اور غلط خبر ہے۔ میرا شہزادہ شکست کھا کر نہیں آ سکتا ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ شہید ہو جائے، لیکن دُشمن کو پشت دکھا کر آئے یہ ممکن نہیں یہ خبر جھُوٹی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ سرکاری پرچہ نویسوں کی اطّلاع ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ پرچہ نویس بھی جھُوٹے ہیں۔ اُنہوں نے کہا خالص بادشاہی دفتر کی اطّلاع ہے، اُس نے کہا کہ دفتر بھی جھُوٹا ہے، تو امیر نے کہا کہ اب کون اس عورت سے چھگل باوَل کرے۔ مُرغ کی ایک ٹانگ ہانکے جاوے گی۔ نہ اُسے سرکاری حکومت کے حالات کی اطلاع، نہ دفاتر کی، نہ سرکاری کاغذات کی اُس نے سب کو جھُوٹا قرار دے دیا، گھر میں بیٹھنے والی عورت ہے اسے کون سمجھاوے۔ واپس چلے آئے۔

اگلے دن گھر گئے تو چہرہ بہت ہشاش و بشاش تھا۔ بیگم نے کہا کہ کیا بات ہے آج تو بہت خوش ہیں۔ کہا کہ تم نے جو بات کہی تھی وہی صحیح نکلی۔ وہ تو صُورت یہ ہے کہ دُشمن کو بھگا دیا شہزادے نے، اور فتح کے شادیانے بجاتا ہُوا آرہا ہے۔ فاتح بن کر آرہا ہے۔ دُشمن کو دُور تک بھگا دیا ہے۔

بیوی نے کہا الحمد للہ خُدا نے میری بات سچّی کر دی۔ اس پر امیر نے پُوچھا کہ آخر تم نے اتنی قوّت سے کیسے دعویٰ کیا وہ شکست کھا کر نہیں آرہا ہے۔ کیا تمہیں الہام ہُوا تھا اُس نے کہا کہ مَیں عورت ذات ہُوں مجھے الہام سے کیا تعلّق اور پھر شاہی بیگم، سارے عیش کے سامان

میسر ہیں مَیں ایسی ولی کہاں سے بن گئی کہ مجھ پر الہاماتِ خداوندی ہوں۔ امیر نے کہا پھر آخر ایسی قوت سے تم نے کیسے دعوٰی کیا کہ ساری خبریں جھوٹی ہیں اور واقعی وہ نکلی جھوٹی۔ یہ کیا بات ہے؟

بیگم نے کہا یہ ایک راز ہے جسے میں ظاہر کرنا نہیں چاہتی، اَب امیر سر ہُوئے کہ ایسا کونسا راز ہے بیوی کا جو خاوند سے چھُپا رہے۔ خاوند سے زیادہ رازدار کون ہے بیوی کا۔ وہ پُوچھنے پر مصر ہیں اور یہ چھُپا رہی ہیں۔ امیر نے کہا کہ میں بہرحال تم سے پُوچھ کر رہوں گا۔ اَب وہ مجبور ہُوئی تو اُس نے کہا مَیں نے عمر بھر یہ بات ظاہر نہیں کی آج میں وہ راز کھولے دیتی ہُوں جب آپ بے حد مصر ہیں۔

وہ یہ ہے کہ جَب شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو مَیں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ کوئی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا تو مَیں نے سلطنت کے خزانے سے ایک پائی نہیں لی، اور جو تنخواہ آپ کو ملتی تھی نہ اس سے مَیں نے کوئی پائی لی۔ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بناتی تھی، ان کو بکواتی تھی۔ اس سے مَیں نے اپنا پیٹ پالا ہے، تو مَیں نے نو (۹) مہینے میں انتہائی تقوٰی سے کامل حلال غذا استعمال کی، اس کے بعد جَب یہ پیدا ہُوا تو مَیں نے بجائے دُودھ پلانے والیوں کے سُپرد کرنے کے کہ کسی اَنّا کا دُودھ پیئے مَیں نے خود ہی دُودھ پلایا۔ اس عہد کو قائم رکھا کہ دو برس تک کوئی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا۔ اسی طرح مَیں نے اپنی دستکاری سے محبّت سے کمایا اُسے کھایا اور اس کے ساتھ ساتھ مَیں نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ جب یہ دُودھ پینے کے لیے روتا تو مَیں پہلے وضو کرتی۔ پھر دو رکعت نماز نفل پڑھتی اور دُعا مانگ کر پھر دُودھ پلاتی تھی۔ پاک صاف ہو کر۔[1]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں۔

"حضرت امام شافعی رحمہ اللہ پر جَب بڑھاپا غالب آیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تو اُن کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ ہیں امامِ وقت ہیں اور ایک جلیل القدر امام کے شاگرد ہیں تو امامِ احمدؒ کو لکھا کہ ... مَیں تو بُوڑھا ہو گیا ہوں۔ اَب سفر کے قابل نہیں رہا۔ تم سے ملے عرصہ ہو گیا ہے۔ ملنے کو جی چاہتا ہے، اگر تم تکلیف کر کے مصر کا سفر کر لو تو تمنّا پُوری ہو جائے گی۔

---

[1] منتخب تقاریر ص ۱۴ تا ۱۷

حضرت امام احمدؒ نے لکھا کہ حضرت میں حاضر ہو رہا ہوں اور تاریخ متعین کر کے لکھ دی کہ فلاں تاریخ کو مصر پہنچوں گا۔ جب وہ تاریخ آئی تو امام شافعیؒ کے گھر میں خوشی ہی خوشی ہے۔ بچیاں اچھلتی کودتی پھر رہی ہیں کہ ایک امام وقت ہمارے یہاں مہمان ہوگا۔ امامِ وقت آنے والا ہے اور تمام مصر میں خوشی ہی خوشی ہو رہی ہے۔

امام شافعیؒ استقبال کے لیے مصر سے کئی میل دُور باہر نکل گئے اور جب وہ نکلے تو مصر کے تمام علماء ان کے ساتھ نکلے اور جب تمام علماء ساتھ نکلے تو تمام فوجی حکام بھی ساتھ ہو لیے اور جب وہ ساتھ ہُوئے تو بادشاہ وقت نے بھی کہا کہ میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ مصر کی حکومت اور قوم سب مل کر امام احمدؒ کے استقبال کو کئی میل آگے بڑھے اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ امام احمدؒ کو لے کر آئے اور امام شافعیؒ کے یہاں مہمان ہُوئے۔

امام شافعیؒ کی مہمان نوازی ضرب المثل ہے اس قدر مہمان نواز کہ یُوں چاہتے تھے کہ سارا گھر مہمان کے پیٹ میں داخل کر دوں۔ انتہائی مدارات اور تکریم کی۔ بہت سی قسم کے کھانے پکوائے۔ اب شام کا وقت ہُوا۔ دسترخوان بچھا کر امام احمد کو بُلایا گیا۔ امام احمدؒ نے اس طرح گر پڑ کر کھایا جیسے کوئی سات وقت کا بھوکا کھانا کھا رہا ہو۔ اتنا زیادہ کھایا کہ دوسرے لوگوں کو تحیر پیدا ہُوا کہ اتنا کھانا تو متقی کی شان سے بعید ہے کہ آدمی اپنے کو ناک تک بھر لے۔

جب امام شافعیؒ گھر میں پہنچے تو چونکہ فقہ و تقویٰ کا زمانہ تھا۔ بچّیوں نے امام شافعیؒ کا دامن پکڑا کہ یہ کیسا امام ہے جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے۔ یہ تو متقیوں کی شان سے بعید ہے یہ کس قسم کا امام ہے جس کی آپ تعریف کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جواب نہ بن پڑا اس لیے کہ مجھے خود ناگوار ہو رہا تھا۔ تو بچّیوں سے فرمایا کہ یہ خلجان میرے دل میں بھی ہے کہ احمد بن حنبل نے امام وقت ہوتے ہُوئے اتنا کیوں کھایا، مگر میں بول نہیں سکتا تھا اس لیے کہ میں میزبان ہُوں۔ اگر میں کہتا کہ تم کم کھاؤ تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنا کھانا بچانا چاہتا ہُوں۔ میرا موقعہ نہ تھا، مگر دل میں میرے بھی خلجان ہے اس لیے چُپ ہو گئے۔

اس کے بعد دونوں امام عشاء کی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ امام شافعیؒ کی صاحبزادیوں نے بستر کیا، اور چارپائی کے قریب لوٹا پانی کا بھر کر رکھا تاکہ اخیر شب میں اُٹھنے میں وضو وغیرہ کرنے میں دشواری

نہ ہو۔ عشاء سے فراغت پر دونوں امام آکر اپنے اپنے مقامِ استراحت پر آرام فرما ہوئے۔ صبح کا وقت ہوا تو دونوں حضرات صُبح کی نماز کو مسجد میں تشریف لے گئے۔ صاحبزادیوں نے آکر بستره لپیٹا تو دیکھا کہ لوٹا اسی طرح پانی سے بھرا ہوا رکھا ہے۔ اَب تو اُن کے غُصّہ کا پارہ اور تیز ہوگیا، اور امام شافعیؒ نماز فجر سے فراغت پر جب گھر تشریف لائے تو بچیوں نے دامن پکڑ کر کہا یہ کیسا امام ہے، پیٹ بھر کر یہ کھاتا ہے۔ رات کا تہجد اسے نصیب نہ ہو، وضو اس نے نہیں کیا۔ یہ کیسا امام ہے جس کی آپ تعریف کر رہے تھے۔ یہ امام کی شان نہیں۔ یہ تو ایک معمولی مسلمان کی شان ہے کہ بہت سے بہت پانچ وقت کی نماز پڑھ لی۔ امام کا رتبہ تو بہت بلند ہے۔

امام شافعیؒ سے صبر نہ ہوسکا۔ بہرحال اُستاد تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے آکر کہا کہ اے احمد بن حنبل یہ تغیر تم میں کب سے پیدا ہوا۔ کھانا کھانے بیٹھے تو تم نے اَنُسٹھ کھایا۔ میرے بولنے کا موقع نہ تھا، مگر دل میں خلجان ضرور رہا۔ اس کے بعد لوٹا بھرا رکھا رہا معلوم ہوا کہ تم تہجد کے لیے نہیں اُٹھے۔

امام احمد بن حنبلؒ مُسکرائے اور فرمایا حضرت واقعہ وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ واقعہ کچھ اور ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کیا واقعہ ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ جب کھانا چُنا گیا تو اس کھانے پر اس قدر انوار و برکات کی بارش تھی کہ مَیں نے دُنیا میں اتنی حلال کی کمائی آج تک نہیں دیکھی جتنا آپ کے گھر کا کھانا تھا، اس لیے مَیں نے چاہا کہ جتنا کھا سکتا ہوں کھالوں چاہے بعد میں سات دن روزہ رکھنے پڑیں، مگر یہ کھانا پھر مجھے نہیں ملے گا۔ یہ وجہ تو زیادہ کھانا کھانے کی ہے کہ مَیں نے اس کھانے کو زیادہ کھالیا۔ پھر اُس کھانے پر انوار و برکات کی بارش دیکھی اور اتنا بابرکت اور حلال لقمہ مَیں نے عالم میں آج تک نہیں دیکھا اور فرمایا کہ اس کی دو برکتیں ظاہر ہوئیں ایک علمی اور ایک عملی۔ علمی برکت تو یہ ظاہر ہوئی کہ رات چارپائی پر لیٹ کر قرآن کی ایک آیت سے فقہ کے سو مسئلے استخراج کیے میرے اُوپر علم کا ایک دروازہ کھُل گیا اور عملی برکت یہ کہ عشاء کے وضو سے تہجد پڑھا اور اسی وضو سے نماز فجر پڑھی۔ اس لیے جدید وضو کی ضرورت پیش نہیں ہوئی۔

امام شافعیؒ کھِل گئے اور بچیوں سے کہا کہ دیکھا ہمارے یہاں امامِ وقت مہمان ہے۔ بچیوں کی خوشی کی بھی انتہا نہ رہی۔[1]

---

[1] منتخب تقاریر ص ۲۰ تا ۲۵

عبداللہ شاہ دیوبندیؒ کا واقعہ

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "دیوبند میں ایک بزرگ تھے۔ شاہ جی عبداللہ شاہ گزر اوقات کے لیے اُنھوں نے گھاس کھودنے کا مشغلہ اختیار کیا تھا، گھاس کھود کر گٹھڑی بناتے اسے بیچتے اور اس سے گزر اوقات کرتے اور گٹھڑی کی قیمت متعین تھی چھ پیسے۔ نہ کم لیتے تھے نہ زیادہ بارہ مہینے ایک ہی قیمت تھی۔ دیوبند کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ جو لوگ اپنے جانوروں کے لیے گھاس خریدنے آتے تھے۔ تو ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ شاہ جی کی گٹھڑی میں خرید لوں، حالانکہ سینکڑوں، گھسیارے اپنی اپنی گٹھڑیاں لیے بیٹھے رہتے تھے، لیکن ان سے کوئی نہ خریدتا تھا۔ بلکہ شاہ جی کو ترجیح دیتے تھے کہ اس میں ہمارے جانوروں کے لیے بھی برکت ہوگی اور ہمارے گھر میں بھی اسی لیے پہلے سے انتظار میں کھڑے رہتے تھے۔ جب دیکھا کہ شاہ جی سر پر گٹھڑی لیے آرہے ہیں تو سب لوگ خریدنے کو دوڑتے تھے جس نے گٹھڑی پر پہلے ہاتھ رکھ دیا بس گٹھڑی اسی کی ہوجاتی تھی اور وہیں پر گٹھڑی ڈال دیتے تھے۔ چھ پیسے لیے اور کہہ دیا کہ لے جاؤ اپنی گٹھڑی، پھر ان چھ پیسوں میں اُن کے یہاں یہ طریق تھا کہ دو پیسے تو وہیں صدقہ کر دیتے اور دو پیسے گھر کا خرچ تھا۔ ایک کوڑی کی لکڑی لی، ایک پائی کا تیل لیا، ایک ادھیلہ کا آٹا لیا۔ (سستائی کا زمانہ تھا۔ دو پیسے میں خاندان کا گزر ہوتا تھا) اور دو پیسے جمع کر لیا کرتے تھے۔ سال بھر میں جب آٹھ دس روپے جمع ہوجاتے تو ہمارے اکابر کی دعوت کیا کرتے تھے جن میں مثلاً حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوبؒ وغیرہ وغیرہ ہوتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سال بھر ہمیں انتظار رہتا کہ کب وہ وقت آئے کہ شاہ جی کے گھر کی دعوت کھائیں اور فرماتے کہ جس دن ان کے گھر کی دعوت کھاتے تو چالیس چالیس دن قلب میں ایک نور رہتا ہے اور طبیعت میں اُمنگ رہتی ہے کہ یہ بھی نیکی کر لوں اور یہ نفلیں بھی پڑھ لوں اور یہ تلاوت کر لوں۔ یہ ذکر بھی کر لوں۔ چوبیس گھنٹے یہ جذبہ اُبھرتا ہے۔ یہ اس اکلِ حلال کی برکت ہے۔[1]

کتابوں میں ان جیسے اور بھی واقعات مذکور ہیں جن سے ایک تو رزقِ حلال کی اہمیت

---

[1] منتخب تقاریر ص ۲۵ تا ۲۷

(باقی ص ۴۶ پر)

ڈاکٹر محمد سرور چاند

فکر و نظر

ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا؟

○

ہم نے پاکستان اس لیے بنایا تھا کہ ہم کو یہاں اپنی زندگی اسلامی نظریوں کے سانچے میں ڈھالنے کا آزادانہ موقع ملے گا۔ ہم کو یہ موقع کہاں تک مِل چُکا ہے اور آئندہ ہم کو یہ موقع ملنے کا کس حد تک امکان ہے؟

جَب ہم خود اپنی طرف سے کیے ہُوئے ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں تو بلا مبالغہ ہماری یہ کوشش کسی اطمینان بخش نتیجہ تک نہیں پہنچتی۔ کیوں۔؟ "یہ کیوں" ہمارے ذہن میں دیر تک گونجنے کے بعد ہم کو ایک ایسے عالم عالم چھوڑ جاتا ہے جہاں حیرت اور ندامت کے احساس کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہم اس عالم سے باہر نکلنے کے لیے تحریروں اور تقریروں کا سہارا لیتے ہیں، لیکن پُورا سہارا بہت جلد مضحکہ خیز صُورت اختیار کر لیتا ہے اور ہم سٹپٹا کر پھر اسی عالم میں چلے جاتے ہیں۔ اَب سوال یہ ہے کہ اگر ہمارا یہ ہی عالم رہا تو پھر اسلامی نظریے اور اسلامی نظریوں کو اپنانے کا دعوٰی ہمارے کس کام آئے گا اور کب کام آئے گا۔ ہماری موجودہ زندگی جس راستے پہ چل رہی ہے وہ راستہ اتنا ناہموار اور پیچ دار ہے کہ ہم منزل تو کیا منزل تک پہنچنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ اَب تک جتنی بھی حکومتیں آئیں اور گئیں سب پر الزامات تھوپے گئے۔ تحقیقات شروع کی گئیں۔ یہ وعدے ہوتے رہے کہ تحقیقات مکمّل ہونے پر عوام کو بتلایا جائے گا تاکہ آئندہ سے وہ اُمیّدواروں کو منتخب کرنے میں احتیاط سے کام لیں، لیکن آج تک عوام بے خبر ہی رہے۔ ہر آنے والی حکومت یہ ہی کہتی رہی کہ ان کی حکومت قانُون اور آئین کی ہو گی، دیانتداری کو فروغ دینا اور قوم کے ذرائع ابلاغ پر قوم کا اعتماد بحال کرنا اُن کی ترجیحات ہوں گی، لیکن

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پاکستان کے سرکاری ذرائع ابلاغ عامہ نے شاید ہی کبھی پیشہ ورانہ اہلیت اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا اور حقائق کو صحیح طور پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ ٹیلی ویژن کی ابتدا ایوب دور میں ہوئی اور اُس کا کام بھی فردِ واحد کی پروجیکشن رہا۔ یحییٰ، بھٹو اور ضیاء ادوار میں بھی اس ادارے اور ریڈیو کو کوئی فرق نہ پڑا۔ حکمرانوں کی چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا، لیکن حکمران کے کسی مخالف کی ایک جھلک بھی دکھانے کی ہمت اور جرأت و زحمت نہ کی گئی۔ اگرچہ کسی حکمران کو اس سے فائدہ نہ پہنچا اور اُلٹا عوام کا اعتماد اس ادارے سے اُٹھتا رہا۔ اُلٹا حکمرانوں کو نقصان ہی پہنچا۔ چونکہ یہ ادارے عوام کے اعتماد سے ہمیشہ محروم رہے اور عوام نے حقیقت جاننے کے لیے غیر ملکی نشریاتی اداروں کی طرف رجوع کیا اور دوسروں کے پروپیگنڈے پر اعتماد کیا۔ گزشتہ دنوں نواز شریف صاحب کی حکومت ختم کر دی گئی تھی اغلباً پاکستان کی تاریخ میں یہ آٹھواں واقعہ ہے۔ آج تک جتنی بھی حکومتیں آتی جاتی رہی ہیں اُن کا سہرا بیوروکریسی کے سر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جناب نواز شریف سیاست کے سمندر میں غوطہ زنی کا کم تجربہ رکھتے ہیں ہر آنے والا بیوروکریسی کا مرہونِ منت رہا ہے۔ نواز شریف صاحب جو بیوروکریسی کا کوئی سدِّباب نہ کر سکے، اُن کا رابطہ عوام سے ہی رہا ہے۔ عوام تو صرف الیکشن تک ہوتے ہیں۔ ووٹ دیا اور فارغ ہو گئے اور پھر دوسرے الیکشن پر سیاستدان پیدا کرتے ہیں یہ عوام تو بھٹو کے کام نہ آ سکے جس نے ان کو زندہ رہنے کا مشورہ دیا اور عوام کا ہیرو تھا۔ بہرحال عوامی منتخب حکومت کو ایک غیر منتخب بالواسطہ عہدیدار نے ختم کر دیا۔ اس کے عوامل کیا ہیں اور اصل بات کیا ہے۔ یہ کوئی نہ جان سکا۔ اور ہمیں جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں جو مسلمان حکمران دینِ اسلام کو نافذ کرنے کی کوشش نہیں کرتے اُن کے ساتھ ہی یہ عمل ہوتا ہے جب حکومت مل جاتی ہے تو پھر حکمران یہ بھول جاتے ہیں کہ اصل حکمرانی تو اللہ کی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں حکمرانی عطا فرما دیتے ہیں اور جس سے چاہیں چھین لیتے ہیں جسے چاہیں عزّت عطا فرما دیں جسے چاہیں ذلیل کر دیں۔ تاریخ ایسے حکمرانوں کے تذکرے سے بھری پڑی ہے۔ جو ذلیل و رسوا ہوئے۔ آج کے حکمرانوں کو ماضی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ اُن کا اقتدار قائم رہے تو وہ اللہ کے دین کو نافذ کر کے اللہ تعالیٰ کو خوش کریں۔ اپنے فرض کو عوام کی عزّت و جان و مال کی حفاظت کر کے نبھائیں۔

جس مُلک میں غریب بچیوں کی عزت سرِ عام لٹ جائے۔ قتل وڈاکہ عام ہو جائیں۔ نخر کاروں کے کیمپوں میں لڑکے لڑکیوں پر وحشیانہ مظالم ڈھائے جائیں، حکمران خاموش تماشائی بنے رہیں دُشمنانِ اسلام اللہ کے خلاف جنگ کی باتیں کریں تو کیا پھر ایسے حکمرانوں کے برسرِ اقتدار رہنے کا کوئی جواز ہے؟ اسلام اسلام کی رٹ سُنتے ۴۵ سال ہو گئے ہیں۔ نہ مُلک میں نفاذِ اسلام کر سکتے ہیں اور نہ بیرونی ممالک میں مظلوم مسلمانوں کی امداد کر سکتے ہیں۔ یہ کیسے مُسلمان حکمران ہیں اور کس اسلام کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اَب ہی حکومت کو سمجھ عطا فرمائیں۔ اللہ کو خوش کیجیے، کوئی اقتدار نہ چھین سکے گا۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اور ملک کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

بقیہ: مکتوب گرامی

سے معزول بھی نہیں کیا۔ اس لیے یزید کو بھی بُرا کہا جاتا ہے۔ پھر یزید نے مدینہ منوّرہ پر لشکرکشی کی اور پھر مکّہ مکرمہ پر، اور وہاں گولہ باری بھی کی جس سے بیت اللہ کی بُنیادیں کمزور ہو گئیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ تعمیر کیا۔

اتّفاق کی بات ہے کہ مَیں نے ابوالمخنف کی روایتیں اب تک نہیں دیکھیں۔ مَیں نے جو کچھ لکھا تھا۔ وہ حدیث شریف کی کتابوں سے لیا تھا۔

آپ سَب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مطالعہ کریں۔ اس میں اس قسم کے سوالات اور جوابات ہیں۔ وہی صحیح موقف ہے۔ آج تک علماء دیوبند کا بھی وہی موقف ہے۔ باقی لمبی بحثوں سے انسان تشویش میں پڑ جاتا ہے یا پھر خود پُوری طرح مطالعہ کر سکے اور کتابیں اور علماء دونوں میسّر ہوں۔ تب بھرپور اور مکمّل فائدہ ہوتا ہے۔

نوٹ: آج کل فضائل جہاد اور طریقۂ جہاد پر لکھنے کی ضرورت ہے اور یہ کہ اسلام نے غریب آدمی کے لیے کیا کیا مدد کی اور اس کی رعایت کی سبیلیں رکھی ہیں۔ اس طرف جلد توجّہ کریں۔

بقیہ: حاصلِ مطالعہ

کا اندازہ ہوتا ہے، دوسرے ہمارے اکابر کا رزق حلال کے بارے میں اہتمام معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں رزقِ حلال کھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ۔

○

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ہمارا مقصدِ حیات قرآنِ مجید میں یوں ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذریات: ۵۶)

(اور میں نے جن اور انسان کو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لیے)

جبکہ ہمارے معاشرہ میں ہر طرح کا فساد موجود ہے۔ جو صالح عنصر اس معاشرہ میں موجود ہے وہ مغلوب ہے اور جو غیر صالح ہے وہ غالب ہے اور اسی عنصر نے اللہ کی حاکمیت کو بھی غصب کر رکھا ہے۔ جو شریعت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمائی تھی اس کو معطل کر کے اُس کی جگہ کچھ یورپ کے اور کچھ اپنے وضع کیے ہوئے قوانین کی مدد سے ایک غیر اسلامی نظامِ حکومت قائم کیا ہوا ہے اگرچہ اس میں چند اسلامی قوانین بھی اب شامل کر لیے گئے ہیں۔

اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلم کسی ایسے نظام کو عملاً برداشت کر سکتا ہے جس میں حاکمیت غیر اللہ کی ہو قوانین غیر اللہ کے ہوں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۔

تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں اُن کے ہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(اور جو کوئی اسلام کے سوا اور دین چاہے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔)

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں ہمارے لیے کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ ہم ایک باطل نظام کا اتباع کرتے رہیں جس میں چند اسلامی قوانین کی بھی آمیزش کر دی گئی ہے، تاکہ اسلام پسند عناصر کا منہ بند کیا جا سکے۔ اور اگر ہم اس جزوی اسلام کو قبول کر لیتے ہیں جو صرف چند قوانین کی شکل میں ہے تو کیا ہمارا معاملہ یہود جیسا نہ ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

(کیا تم کتاب کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصّہ کا انکار کرتے ہو۔)

لہٰذا ان ساری باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم چند ساتھیوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ہم اس جزوی شریعت کو ہرگز قبول نہ کریں گے، کیونکہ غیر اللہ کی حاکمیت ہی فساد فی الارض کا باعث ہے، بلکہ ہم ایک بستی بسائیں گے جس کے مکین ابتداءً ہم چند ساتھی اور اُن کے کنبے ہوں گے اپنے میں سے ایک شخص کو جو دین کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو اولی الامر مقرّر کریں اور شوریٰ کا نظام قائم کریں اور ہر شعبے میں صرف اور صرف اللہ ہی کے بندے بن کر رہیں۔ یہ اولی الامر اس عہد کے ساتھ امارات کی ذمّے داری لے کہ جیسے ہی اس سے بہتر اور دین کا زیادہ علم اور بصیرت رکھنے والا شخص اس معاشرے یا بستی کا حصّہ بنے تو امارات کی ذمّہ داریوں کا بوجھ شوریٰ کے فیصلے سے اس پر ڈال دیا جائے تاکہ قیادت کی ذمّہ داری ہمیشہ سب سے زیادہ صاحبِ علم و فراست کے کندھوں پر رہے۔

اس بستی کا اپنا دارالمال ہو اور اس کی اپنی آزادانہ معیشت ہو۔ یہ ہر مکین کی کفالت کی ذمّہ دار ہو... اس کے بسنے والے کسی طاغوتی عدالت کی طرف رجوع نہ کریں، بلکہ اپنے فیصلے طلب امورِ قرآن اور سُنّت کے مطابق طے کریں، اور اگر کوئی باہر کا شخص اُنہیں کسی مقدمے میں گھسیٹ لے تو بھی وہ موجودہ طاغوتی عدالتوں کی نفی کریں چاہے اُنہیں توہین عدالت میں سزا ہی کیوں نہ بھگتنی پڑے۔ زمین پر مکمّل طور پر اللہ کے دین کو بالفعل قائم اور نافذ کرنا ایک آخری غایت اور ہدف ہے جہاں تک پہنچنے کی مسلسل کوشش اس اُمّت کی منصبی ذمّہ داری اور ہم میں سے ہر ایک کی محبوب آرزو بھی ہے مگر وہاں پہ پہنچ جانا ہم پر واجب ہرگز نہیں ہے جو واجب ہے وہ یہ کہ

اس ہدف کی طرف جتنے قدم آگے بڑھ سکتے ہیں اتنے قدم بڑھتے چلے جائیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری توانائیاں ایک اعلیٰ اخلاقی روحانی اور جسمانی تربیت میں صرف ہوں ہم منظّم ہوں اور پھر دوسروں کو بھی اس مثالی معاشرت کا حصّہ بننے کی دعوت دیں۔

اب اگر اس راستے میں حکومت یا اس کے ذیلی ادارے کی طرف سے مصائب کا سامنا کرنا پڑے تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور ابتداءً کسی قسم کی جوابی کارروائی کے بارے میں سوچا بھی نہ جائے، بلکہ اُس کو آزمائش اور تربیت کا ایک مرحلہ سمجھا جائے اور فیصلہ اللہ ہی کی ذات پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ دُنیا کی زندگی اور اس کی آسائش اور تکلیفیں، کامیابیاں اور ناکامیاں ہی فیصلہ کُن نہیں ہوتیں۔ نُصرت صرف ظاہری غلبہ کا نام نہیں، بلکہ عنداللہ اصل وزن صحیح عقیدے اور ایمان کا ہے۔

اس سارے کام کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی اور اپنے آپ کو مکمّل طور پر اس کی بندگی میں دے دینا ہے۔

ایک صاحبِ ایمان (——) کے قریب اپنے گاؤں سے متصل وسیع اراضی اس مقصد کے لیے ہبہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ قابلِ کاشت بھی ہے اور اس میں رہائش بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔

○

الجواب باسم ملهم الصواب حامدا و مصليا

جو تجویز سائل نے سامنے رکھی ہے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا دین کے تمام شعبوں کو جاری و نافذ کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسّلام یا سلف صالحین یا اور بعد کے ادوار کے اہلِ حق میں سے کسی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کسی ایسے ملک میں جہاں غیر شرعی نظام نافذ ہو اسی ملک کے ایک حصّے میں جو ہر طرح سے غیر شرعی نظامِ حکومت کا پابند ہو ایسا معاشرہ قائم کر دیں جہاں اپنی امارت و حکومت ہو یا بالفاظ دیگر ریاست در ریاست ہو؟

تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں اپنے تتبع و تلاش کے مطابق تو ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ہمیں فقط دو ہی صُورتیں ملتی ہیں ایک تو یہ کہ اسی معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے اصلاح کی کوشش کی گئی، دوسری یہ کہ اس حکومت و نظام والے علاقے سے نکل کر کسی آزاد اور موافق علاقے میں جا کر

اپنی حکومت قائم کی اور پھر کام کو اور علاقوں تک بڑھایا۔

اوّل الذکر طریقے میں ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی مثال ملتی ہے کہ آپ نے اپنی قوم کی اسی معاشرے میں رہتے ہُوئے اصلاح کی کوشش فرمائی۔ پھر حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ کی مثال ملتی ہے جن کے پاس اپنے متبعین کی کوئی کمی نہ تھی، لیکن اُنہوں نے اسی معاشرے میں رہتے ہُوئے اصلاح کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے حالات تبدیل بھی کر دیے۔ ان سے پیشتر زید شہید رحمہ اللہ وغیرہ کی مسلح اصلاحی تحریکیں بھی برپا ہُوئیں اور اُنہوں نے حکومت وقت سے میدانِ جنگ میں جاکر ٹکر لی، لیکن اسی معاشرے میں رہتے ہُوئے اپنا کام کیا۔ ان سب مثالوں میں ہمیں ایک بات مشترک نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ ان حضرات نے اسی ملک و نظام کے اندر کوئی دوسرا نظام قائم کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔

ثانی الذکر میں ہمیں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم، حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اُن کے بعد سیّد احمد شہید رحمہ اللہ کی مثالیں ملتی ہیں۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اوّلاً مکہ مکرمہ میں تبلیغ فرمائی اور حکومت قائم ہُوئی تو مدینہ منوّرہ میں جہاں پہلے سے کوئی اور نظامِ حکومت موجود نہ تھا، بلکہ عبداللہ بن ابی کو حاکم بنانے کا منصوبہ تھا۔ اس وقت تک ایک قبائلی نظام تھا۔ اَوس و خزرج قبیلوں نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں کی حکومت کی راہ بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بھی اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنے کی سعی فرمائی۔ سیّد احمد شہید رحمہ اللہ نے تحریک جہاد شروع کی تو آزاد قبائلی علاقے سے شروع کی۔ کچھ قبائلی ہمنوا ہُوئے تو اسلامی حکومت قائم کر دی اور جہاد کے سلسلے کو شروع کیا۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ کوئی نظام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس علاقے میں پہلے سے کوئی دوسرا نظام یا تو موجود نہ ہو یا موجود ہو تو مغلوب و مقہور ہو چکا ہو کیونکہ نظام قائم کرنے کے لیے قوّت نافذہ کی ضرورت ہوگی اور کسی حاکم کے پاس کسی علاقے میں قوّت نافذہ اسی وقت موجود سمجھی جاتی ہے جبکہ اس علاقے میں کسی اور کے پاس اس کے مساوی یا اس سے فائق قوّت نہ ہو۔ اس کی وضاحت میں ہم کہتے ہیں کہ ایک معاشرہ کے اندر اختلافات پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ صحابہ کے دَور میں بھی ایسا ہُوا اور تابعین کے دَور میں بھی ایسا ہُوا اگرچہ نیک لوگوں میں اختلافات کا باعث غلط فہمی یا قیاس فاسد ہی ہوا اور ہمارے دَور میں تو سب سے بڑا سبب نفس پرستی ہے۔ اس نفس پرستی کے دَور میں کسی قوّت کے بغیر

ایک فریق کو مروجہ عدالتوں میں جانے سے کیسے روکا جاسکے گا اور اپنے امیر کے تمام فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے پر کیونکر مجبور کیا جاسکے گا؟ پھر حکومت جو مختلف قسم کے ٹیکس ضرورت سے زائد وصول کرتی ہے کیا وہ ادا نہیں کریں گے؟

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تجویز تاریخی اور سیاسی اعتبار سے صحیح نہیں ہے بلکہ دینی اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے

اس کے بعد ہم چند اہم اُمور پر تنبیہہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔

① ایک حکومت کے تحت رہنا اور چیز ہے اور اس کے نظام کو قبول کرنا اور چیز ہے کسی حکومت کے تحت رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے نظام کو بھی قبول کیا ہُوا ہے۔ مثلاً موجودہ حکومت کے تحت رہتے ہُوئے ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے معاملات شریعت کے مطابق چلائیں۔ اس میں ہمیں ایثار و قربانی سے کام لینا پڑے تو گریز نہ کریں۔ مثلاً یہ کہ کسی سودی معاملہ میں شریک نہ ہوں، سود نہ لیں، حرام طریقے سے کمائی حاصل نہ کریں کسی کا حق نہ دبائیں کسی پر ظلم نہ کریں، کوئی ہم پر ظلم کرے اور ہمارا حق مارے تو اگر شرعی طریقوں سے حق وصول نہ ہو سکتا ہو تو اپنے حق کو قربان کر دیں۔ زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے رشوت دینی پڑتی ہے تو کم آمدنی پر گزارہ کرلیں۔ اچھے معیارِ زندگی کو چھوڑ کر کم معیار زندگی کو ترجیح دیں۔ دیگر معاصی سے بچیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنی امکان بھر کوشش کریں کہ اصلاح احوال ہو سکے اس میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ اصلاح کے لیے کیا طریق اختیار کیا جائے، لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ شرعی اُصولوں اور سُنّت کے مطابق ہو اور یہ بھی ہر شخص کے زعم کے مطابق نہیں بلکہ اہل حق مستند علماء اس پر صاد کرتے ہوں۔

② تجویز کے لیے جو دلائل پیش کیے گئے ہیں اور جو طرزِ استدلال اختیار کیا گیا ہے، ان سے ایک مخصوص اور حق سے ہٹے ہُوئے طرزِ فکر کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس طرزِ فکر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک حکومتِ الٰہیہ یا اسلامی قوانین نافذ نہ ہوں اس وقت تک ایک شخص کو نہ دین حاصل ہے اور نہ ہی وہ عبادت ـــــ "اصلی حقیقی اور عظیم عبادت" ـــــ پر کاربند ہے۔ گویا دین اور عبادت کا وجود و ثبوت اس طرزِ فکر کے مطابق حکومتِ الٰہیہ پر موقوف ہوتا ہے۔ آج کل کے متجددین کا

یہی طرزِ فکر ہے، لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ راہِ حق سے ہٹا ہُوا طرزِ فکر ہے اور اس کی بُنیاد بہت کچھ تفسیر بالرائے پر رکھی گئی ہے۔ اس پر ہم نے تفصیل سے اپنی کتاب

"ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات تنقید کی میزان میں"

(مطبوعہ مکتبہ مدنیہ اُردو بازار لاہور)

میں کلام کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کر لیا جائے۔

(۳) البتّہ اس حد تک ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ جو صحیح عقائد رکھتے ہوں اور اعمال میں اُن کو خُوب رغبت ہو، وہ لوگ ایک جگہ پر اکٹھے رہیں اور اس طریقے سے اپنی نسل کی صحیح تربیت کے لیے بہتر ماحول فراہم کریں، لیکن صحیح تربیت بھی اہلِ حق مستند اور متدین علماء کی رہنمائی ہی میں ہو سکتی ہے۔ متجددین کے افکار تو اُنہیں گمراہی کے راستے پر ہی ڈالیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

○

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی و قرأت سبعہ و عشرہ اور راویت حفص نیز فارغینِ طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمّل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔

○

نیز شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ متوسلین اور تلامذہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مکمّل تعارف کے ساتھ اپنے مکمّل پتے ہمیں ارسال فرمائیں اگر آپ کا فون ہو تو اس کا نمبر بھی تحریر فرمائیں۔

تبصرہ

مکاتیب سر محمد اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی

مرتب : سید شفقت رضوی

ناشر : ادارہ تحقیقات افکار و تحریکاتِ ملی۔ ۹/۱ علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱

صفحات: ۱۴۴، قیمت: ۶۰ روپے

تبصرہ نگار : تنویر احمد شریفی (کراچی)

علامہ اقبال کے یہ خطوط معارف (اعظم گڑھ) میں قسط وار چھپے تھے اور "اقبال نامہ" میں بھی شامل تھے، لیکن اب یہ دونوں مأخذ ناپید تھے۔ اب انھیں ایک مستقل مجموعے کی شکل میں چھاپا گیا ہے۔ ان خطوط پر مختصر حواشی خود مکتوب الیہ نے تحریر فرمائے تھے۔ یہ خطوط افکار و معارف کا خزینہ ہیں اور ان کی علمی حیثیت مسلّم ہے، لیکن اُن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی علوم میں اُن کی نظر گہری نہ تھی۔ اُنھوں نے بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی مولانا سید سلیمان ندوی سے دریافت فرمایا جن سے کسی دینی مدرسے کا کتبِ وسطیٰ پڑھنے والا طالب علم بھی واقف ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اقبال کا فکری درجہ بہت بلند تھا۔ اس مجموعے میں چند خطوط اس زمانے کے بھی ہیں جب وہ ردِّ قادیانیت میں اپنا مضمون لکھنے والے تھے۔ اُنھوں نے کئی خطوط میں اس مسئلے کے بعض پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے سوالات کیے ہیں۔ تفصیلاً تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سید سلیمان ندوی نے ان سوالات کا کیا جواب دیا تھا، لیکن سید صاحب کے مختصر حواشی سے اُن کے اندازِ فکر اور جواب کا اشارہ مل جاتا ہے۔ مثلاً نبی، بروز وغیرہ کے معنی، وفاتِ مسیح، نزولِ مسیح، نزولِ مسیح بہ صفتِ نبوّت یا بلا صفتِ نبوّت، توہینِ رسالت کا منصوبہ، توہینِ رسالت کی سزا وغیرہ مسائل میں علامہ کے سوالات اور مولانا کے اشارات اہمیّت کے حامل ہیں۔ ان میں ایک تو سوال ہی بہت غلط ہیں اور اکثر کے جوابات تو نہایت غیر تسلّی بخش اور ناکافی بلکہ غلط در غلط کی مثال ہیں۔ مثلاً علامہ اقبال دریافت فرماتے ہیں۔

"اگر کوئی شخص جو اسلام کا مدّعی" ہو یہ کہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور رسالت مآب پر جزوی فضیلت حاصل ہے، اس واسطے کہ مرزا قادیانی ایک زیادہ متمدن زمانے

میں پیدا ہوئے ہیں، تو کیا ایسا شخص توہینِ رسالت کے جرم کا مرتکب ہے۔ بہ الفاظِ دیگر اگر توہینِ رسالت جرم قابلِ تعزیر ہے تو عقیدہ مذکور توہین رسالت کی حد میں آتا ہے یا نہیں؟" (صفحہ ۱۰۵)

مولانا سلیمان ندوی اس پر یہ حاشیہ لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو جزوی فضیلت ہونا جائز ہے اور ایسا کہنا نہ کفر ہے، نہ توہین نبی کا باعث ہے۔ البتہ مقتضائے محبت کے خلاف ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ جزوی فضیلت حقیقت میں فضیلت کے شمار میں ہے بھی؟ مثلاً زیادہ متمدن زمانے میں ہونا کوئی فضیلت نہیں، کیونکہ خود تمدن نہ کوئی دینی فضیلت ہے، نہ اخلاقی نہ عقلی، بلکہ ممکن ہے کہ ان کے بعد دنیا اور زیادہ متمدن ہو جائے تو اس زمانے کے آدمی پر اس زمانے کے آدمی کو فوقیت ہو جائے اور اگر یہ امر باعثِ فضیلت ہو تو غلام احمد قادیانی تو کیا، اقبال سیالکوٹی کو بھی یہ جزوی فضیلت حاصل ہے۔ بلکہ غلام احمد سے زیادہ، کیونکہ مرزا صاحب نے صرف اس کو دور سے دیکھا ہے۔ چکھا اور آزمایا نہیں۔" (صفحہ ۱۰۵)

اوّل تو یہی صریح غلط ہے کہ کوئی "اسلام کا مدّعی" بہ قائمی ہوش وحواس اور "بہ سلامتی ایمان" یہ کلمہ کفر زبان سے نکال سکتا ہے، لیکن اس سے زیادہ غلط بات یہ ہے کہ نبوّت کے ایک جھوٹے مدّعی کو جزوی فضیلت حاصل ہونا جائز ہے، کیا نبوّت کے جھوٹے دعوے کے بعد بھی کوئی فضیلت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے بدترین جھوٹ کو کائنات کی سب سے بڑی سچائی پر جزواً ہی سہی فضیلت حاصل ہے؟ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ نبوّت کے جھوٹے مدّعی کو ایک عام مسلمان اور صاحب ایمان پر بھی کوئی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ چہ جائے کہ مقامِ ختمِ رسالت فداہ ابی وامّی و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر کسی قسم کی جزوی فضیلت حاصل ہو۔ نبوّت کے باب میں جھوٹ کے بعد کوئی شخص انسانی و روحانی تمام فضیلتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس بدترین کذب کے بعد کوئی فضیلت باقی ہی نہیں رہتی۔ اقبال کے سوال اور سلیمان کے جواب سے یہ پتا بھی نہیں چلتا کہ یہ دونوں مرزا غلام احمد قادیانی کو مدعی نبوّت (کاذب) سمجھتے بھی ہیں یا نہیں؟

مکاتیب کے فاضل مرتب نے سیّد سلیمان کے حاشیے پر ان جملوں کا اضافہ کیا ہے۔

"مرزا غلام احمد قادیانی مدّعی نبوّت بزعم خویش مسیح موعود اور مثیل عیسیٰ کے لیے

بزمِ قارئین

انوار مدینہ کے گزشتہ شمارے میں شائع ہونے والے مضمون "ایک واقعہ کی تحقیق" کی تائید میں حضرت مولانا عبد اللہ صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ بھکر کا گرامی نامہ۔

محترم المقام جناب مولانا سیّد محمود میاں صاحب زید مجدکم السامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج شریف، جون کا انوارِ مدینہ کل دوپہر پہنچا۔ مصروفیت کی وجہ سے اب تک صرف حضرت مولانا سیّد ساجد میاں صاحب کا گرامی نامہ اور مولانا نعیم الدّین صاحب کا مضمون "ایک واقعہ کی تحقیق" ہی پڑھ سکا ہوں، مولانا نعیم الدین صاحب نے بہت اچھی اور صحیح تحقیق فرمائی ہے مولانا نے تذکرۃ الاولیاء کے لاہور اور دہلی وغیرہ سے چھپنے والے اُردو تراجم کا ذکر کیا ہے جن میں یہ غلط اور بے بُنیاد واقعہ درج ہے۔ مولانا کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی نظر سے کوئی ایسا ترجمہ نہیں گزرا جس میں یہ غلط واقعہ نہ لکھا ہو، میرے پاس "انوار الازکیاء ترجمہ تذکرۃ الاولیاء" ہے، مولانا نعیم الدّین صاحب کا مضمون دیکھ کر مَیں نے اس ترجمہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر مشتمل اٹھارواں باب مکمّل پڑھا، اس میں یہ واقعہ نہیں ہے، حاجی محمد سعید مرحوم تاجر کتب کلکتہ نے منشی مولوی مرزا جان دہلوی سے یہ ترجمہ لکھوایا تھا اور جمادی الآخر ۱۳۱۹ھ ستمبر ۱۹۰۱ء میں مطبع انتظامی کانپور سے طبع کرایا تھا، اس ترجمہ میں کُنیت کی کوئی وجہ ہی ذکر نہیں کی گئی معلوم ہوتا ہے ترجمہ صحیح اور اصل کتاب کے مطابق ہے، مولانا نعیم الدّین صاحب کی خدمت میں سلام مسنون و مضمون واحد عرض ہے، مولانا سیّد رشید میاں صاحب مولانا سیّد مسعود میاں صاحب اور حافظ سیّد مقصود میاں صاحب کو سلام مسنون عرض کر دیں، اُمّید ہے مزاج بعافیت ہوں گے۔

والسّلام

محمد عبد اللہ

مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ بھکر — ۹ رجون ۱۹۹۳ء

○

محترم ومکرم حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب! دامت برکاتہم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اُمّید ہے کہ آپ کے مزاجِ گرامی بخیر وعافیت ہوں گے۔ الحمد للہ یہاں بھی ہر طرح کی خیریت

ہے۔ "انوارِ مدینہ" میں آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کے انتقال پُر ملال کی خبر پڑھ کر دلی صدمہ اور افسوس ہُوا اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے (آمین)، مَیں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہُوں۔ ایصالِ ثواب بھی کیا اور بلندیٔ درجات کی دُعا بھی کی گئی۔

جناب والا! "انوارِ مدینہ" اپنی مثال آپ ہے۔ اداریہ بہت ہی عُمدہ اور معیاری مضامین نے پرچے کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ آپ نے پرچے میں کسی بات کی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ البتہ صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی اور واقعات پر ایک آدھ مضمون ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ اللہ پاک آپ کو اپنی شان کی بقدر جزائے خیر عطا فرمائے۔

"انوارِ مدینہ" نے جامعہ مدنیہ کا نام اُجاگر کر دیا ہے مَیں آج کل ابوظبی سے تین سو کلو میٹر دُور "جزیرہ صیر بنی یاس" میں ڈیوٹی پر ہُوں۔ انشاء اللہ ابوظبی واپسی پر "انوارِ مدینہ" کے لیے کام کروں گا۔

والسّلام

ابوعمر اشتیاق حسین عثمانی

ابوظبی (U.A.E)

○

بقیہ: تبصرہ

کسی "مدّعی اسلام" کے کہنے کا کہ ...، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مکتوب الیہ کا حاشیہ تو غلط در غلط ہے۔" (صفحہ ۱۰۵)

کتاب کو اور بھی بہت حواشی کے اضافے سے نہایت مفید اور معلومات افزا بنا دیا گیا ہے حواشی کے علاوہ "رجال مکاتیب اقبال" کے عنوان سے برِّصغیر پاک و ہند کی تیس اکابر شخصیات پر جن کے اسماء و افکار مکاتیب میں آئے تھے۔ سوانحی و تعارفی نوٹس شامل کتاب ہیں۔ نیز شروع میں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں اکابر شخصیات کے مابین علمی و ذاتی تعلقات کی تاریخی روداد اور دونوں اکابر کے علمی و فکری خصائص اور کارناموں پر تبصرہ بھی بطور "مقدّمہ" شامل ہے۔

کتاب سفید کاغذ پر کمپیوٹر کی عمدہ کتابت میں خوبصورت پلاسٹک کوٹڈ جلد میں شائع ہُوئی ہے